مرقعِ انشا، حصہ اول، جناب سید محسن ترمذی ادیب فاضل منشی فاضل صفحہ ۱۲۶ قیمت ۱۲ مینجر ایجوکیشنل گزٹ ریلوے روڈ جالندھر شہر

مصنف نے یہ چھوٹا سا رسالہ ابتدائی درجون کے بچون کو مضمون نویسی اور اظہار مطالب کے صحیح طریقون کے سکھانے کے لئے لکھا ہے، اس مین بچون کو مختلف قسم کے مضامین حکایات و واردات کے بیان کے طریقے بتائے گئے ہین، اور مثال دیکران کو سمجھایا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی ہر مضمون کے بعد اردو محاورات کی مشق بھی کرائی گئی ہے، ابتدائی مدارس کے لئے یہ کتاب امید ہے کہ مفید ہوگی،

خیابانِ اردو، مرتبہ جناب احمد عارف صاحب حیدر آبادی، صفحہ ۳۰۲، قیمت درج نہین، منتظم صاحب مکتبۂ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن، مؤلف نے اس مین اردو کے اکثر مشاہیر اہل قلم کے منتخب مضامین اس غرض سے جمع کئے ہین کہ وہ متوسط درجون کے طلبہ کے لئے انشا اور مضمون نویسی کے بہترین نمونون کا کام دے سکے، اس مین ⅔ حصہ نثر کا اور ⅓ نظم کا، تمام مضامینِ نثر ۸ ابواب پر منقسم ہین، (۱) ادب، (۲) تعلیم و تربیت، (۳) اخلاق و آداب (۴) پیامِ عمل (۵) تاریخ (۶) سوانح، (۷) افسانے (۸) خطوط، یہ مضامین، سر سید، آزاد، حالی، شبلی، نذیر احمد، شیخ عبد القادر، عزیز مرزا، نواب محسن الملک، سید احمد، وحید الدین سلیم، سید سلیمان ندوی، وغیرہ کے ہین، نظم بھی اسی طرح ۸ ابواب پر منقسم ہے، (۱) خدا کی تعریف (۲) اخلاق و آداب، (۳) پیامِ عمل، (۴) وطنیت و قومیت، (۵) جذبات فطرت، (۶) یادِ رفتگان، (۷) مقامات، (۸) مناظر قدرت، اس قسم کے مجموعے یقیناً طلبہ کے لئے نہایت مفید ہین، اور ان کے لئے بہترین رہنما کا کام دیتے ہین، یہ مجموعہ مدارس دکن کے طلبہ کے لئے لکھا گیا ہے، امید ہے کہ ان کے لئے یہ کار آمد ثابت ہوگا۔

خیالاتِ ارونگ، مترجمہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا، وکیل، ص ۹۶، قیمت ۸/ دار المصنفین اعظم گڈھ،

واشنگٹن ارونگ ۱۹ وین صدی کے ابتدائی حصہ کے مشہور امریکن انشا پردازون مین ہے، ۱۸۱۹ء مین اس نے مختلف مضامین کو اسکیچ بک کے نام سے شایع کیا تھا، جناب تنہا صاحب نے اسی کتاب کے متعدد مضامین کو اردو کا جامہ پہنا کر مختلف اردو رسائل مین شایع کیا تھا، اب یہی مضامین ایک مجموعی صورت مین مندرجۂ بالا نام سے اردو دان اصحاب کی خدمت مین پیش کئے گئے ہین،

عدد دوم	ماہ صفر ۱۳۴۷ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۸ء	مجلد بست و دوم

مضامین

شذرات

ماہ رواں کے سب سے ہولناک علمی حادثون مین دو مشہور نامور مسلمان مصنفین اور اہل قلم کی وفات ہے، ایک سید امیر علی بالقابہ، اور دوسرے مولوی سید وحید الدین سلیم پانی پتی، اس سے پہلے چند ماہ ہوئے کہ ایک اور کہنہ مسلمان فاضل مصنف علامہ ابو الفضل عباسی چریاکوٹی وکیل گورکھپور کی وفات کی خبر ملی تھی، ان بزرگون کا یکے بعد دیگرے یون رخصت ہوتے جانا علم اور قوم کی بدنصیبی ہے،

علامہ **ابو الفضل عباسی** چریاکوٹی، استاذنا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی کے شاگرد تھے، اور ان چند مستثنی علماء مین تھے جنھون نے اس عہد مین جب انگریزی کفر سمجھی جاتی تھی، انگریزی تعلیم حاصل کی، چنانچہ علی گڑھ کالج کے ان طلبہ مین تھے، جو اس کے سب سے کم دیر پا مشرقی شعبۂ علوم مین داخل تھے، مرحوم وکالت کیساتھ ہمیشہ مذہبی و تاریخی تالیف و تصنیف مین مصروف رہتے تھے، چنانچہ قرآن پاک کا اردو ترجمہ، الاسلام، تاریخ اسلام، انگریزی مین قانون محمدی کی بعض کتابین انتخاب دواوین اور ایک دو اصلاحی افسانے یادگار چھوڑے، الاسلام اور تاریخ اسلام مرحوم کی بہترین تصنیفات ہین، مرحوم کی عمر غالباً کم و بیش ستر ہوگی، (تغمدہ اللہ تعالی برحمتہ)

مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی، عربی اور اردو کے ادیب تھے، عربی ادب مین وہ مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کے شاگرد تھے، لاہور کے مشرقی شعبہ مین تعلیم پائی تھی، اور وہین سے تحریر و انشا، اور ترجمہ و تالیف کا شوق اپنے ساتھ لائے تھے، ۱۸۹۰ء کے بعد سے غالباً وہ سرسید مرحوم کے علمی مددگار مقرر ہوئے، یعنی سرسید کی تصنیفات اور مضامین کے لیے عربی کتابون سے معلومات فراہم کیا کرتے تھے، پھر معارف نام ایک علمی رسالہ

انھون نے علی گڑھ سے نکالا، جس نے اہل علم مین بڑی عزت حاصل کی، چند سال نکلکر یہ بند ہوگیا، پھر ۱۹۰۳ء کے قریب مین وہ علی گڑھ گزٹ کے اڈیٹر ہوئے، اور بالآخر اس سے بھی الگ ہوکر خانہ نشین ہوگئے، ۱۹۱۰ء مین جب لکھنؤ سے مسلم گزٹ نکلا، جسنے مسلمانون کی اس نئی سیاسی بیداری مین خاصہ حصہ لیا، تو مولانا شبلی مرحوم کے مشورہ سے وہی اس کے اڈیٹر مقرر ہوئے اور حق یہ ہے کہ انھون نے نہایت خوبی سے اس فرض کو انجام دیا، مسلم گزٹ کے بند ہونے کے بعد وہ پھر خانہ نشین ہوگئے، اور آخر غالباً ۱۹۱۶ء یا اس کے گرد و پیش زمانہ مین وہ حیدرآباد گئے، اور جامعہ عثمانیہ مین اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اسی منصب پر اس مہینہ مین انھون نے ملیح آباد (ضلع لکھنؤ) مین وفات پائی، مرحوم کی عمر ستر سال کے قریب ہوگی،

مرحوم نے چھوٹے بڑے مضامین بیشمار لکھے، ان کی خاص خصوصیت زود نویسی تھی، وہ قلم برداشتہ لکھتے تھے، اور بڑے سے بڑے ہفتہ وار اخبار کو ایک رات مین بیٹھکر پورا کر لیتے تھے، اور ان کی کوئی مستقل تصنیف "وضع اصطلاحات علمیہ" کے سوا دوسری نہین، نئے الفاظ کے تراشنے اور وضع کرنے مین ان کو پوری مہارت تھی، علی گڑھ گزٹ اور مسلم گزٹ کی اڈیٹری کے زمانہ مین بہت سے اردو الفاظ وضع کرکے انھون نے پھیلائے ہین، منجملہ ان کے ایک لفظ نمائندہ جو آج اس قدر کثیر الاستعمال ہے، انھین نے اس لفظ کو جدید فارسی اخبارات سے لیکر اردو مین علی گڑھ گزٹ کے ذریعہ سے رائج کیا،

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

سید امیر علی مرحوم تمامتر جدید تعلیم کی پیداوار تھے، مگر انھون نے بزرگون کے سنے سنائے معلومات اور ذاتی کدو کاوش سے یورپ مین اسلام کی بڑی خدمت کی، وہ یورپ مین تمام اسلامی کامون اور تحریکون کے رکن رکین سمجھے جاتے تھے، ان کے مذہبی اور سیاسی خیالات سے گو ہم موافقت نہ کرسکین، مگر اس مین کوئی شبہہ نہین کہ ان کے قلم کی ضو افشانی

سے اسلام کے متعلق یورپ کے بہت سے خیالات باطلہ کے بادل پھٹ گئے، ان کی دو کتابین، اسپرٹ آف اسلام

ہسٹری آف سارا سینس ہمیشہ یادگار رہین گی، ان دونون کتابون کے ترجمے اکثر اسلامی زبانون مین موجود ہیں

حتی کہ عربی مین بھی ہو چکے ہین، ۹۰ سال کی عمر مین اس جہان فانی کو الوداع کہا، مرحوم سے ۱۹۲۰ء مین کئی دفعہ لندن

مین ملنے کا موقع ملا تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ،

گذشتہ معارف مین سیرۃ نبوی جلد اوّل کے ترکی ترجمہ کا ذکر کیا گیا تھا، اس مہینہ مین یہ ترجمہ مکمل ہو کر ہمارے پاس

پہنچ گیا، اس کے ترکی مترجم عمر رضا بے ہین، کتاب کا نام عصر سعادت رکھا ہے، متوسط تقطیع کے ۵۰۰ صفحون پر باریک ٹائپ

مین چھپی ہے، حاشیون اور حوالون کو بعینہ باقی رکھا گیا ہے، مصنف، دار المصنفین اور جامع سیرت کا بھی مقدمہ مین ذکر کیا گیا

امید دلائی گئی ہے کہ سیرت کے بقیہ حصے بھی عنقریب شائع ہونگے، شائع کرنے والی مجلس کا نام "آثار علمیہ کتبخانہ سی"

قسطنطنیہ ہے،

دار المصنفین کا کتب خانہ اب تک اس شان کا نہین، جیسا کہ ایک علمی مجلس کا ہونا چاہیے، دار المصنفین کی مالی

جہانتک اجازت دیتی ہے، وہ اس کی ترقی اور توسیع مین کوشش کرتا رہتا ہے، چنانچہ ایک ہزار روپیہ سالانہ وہ نئی کتابون

کی خریداری پر خرچ کرتا ہے، مگر یہ رقم اتنی تھوڑی ہے کہ سال مین دو چار بڑی اور مسلسل جلدون کی مطبوعہ کتابون

اور قلمی کتابون کی نقل کے لیے بمشکل کافی ہوتی ہے، ہم نے اس کے لیے بارہا یہ تحریک کی کہ قوم کے پرانے خاندانون مین ہزارون

کتابین بیکار پڑی ہوئی کیڑون کی خوراک بن رہی ہین، اگر وہ ان کتابون کو دار المصنفین کی نذر کرین، تو ان کی حفاظت کے

ساتھ ساتھ ان سے فائدہ اور استفادہ بھی ہو سکے،

اس سلسلہ مین یہ سنکر ناظرین کو خوشی ہوگی کہ اس مہینہ مین اسی ضلع اعظم گڈہ کے ایک قدیم شریف خاندان نے

اپنا علمی متروکہ دار المصنفین کے سپرد کر دیا، اعظم گڈہ کے ضلع مین محمد آباد قدیم شرفاء کا ایک ممتاز قصبہ ہے، منشی محمد اکرام صاحب

مرحوم وہان کے ایک مشہور رئیس اور ممتاز وکیل اور علم دوست تھے، یہ کتب خانہ ان کا فراہم کردہ تھا، بعد کو ان کے لائق

صاحبزادہ مولوی عبد الغفور صاحب مرحوم ڈپٹی کلکٹر نے اس مین اور اضافہ کیا، اب مرحوم کے خلف الصدق مولوی محمد

اکرم صاحب منیجر ریاست پڈ رونہ اور خان بہادر حاجی محمد مثنٰی صاحب ڈپٹی کلکٹر نے اپنے اس علمی موروثہ پدری کو دار المصنفین

کے حوالہ کر دیا، چنانچہ وہ کتب خانہ چند روز ہوئے کہ دار المصنفین مین منتقل ہو گیا، اس مین تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، فلسفہ

ریاضیات، تصوف، مناظرات، طب، تاریخ، اور ادبیات کی عربی، فارسی، اردو، اور کچھ انگریزی زبان مین تقریباً دو ہزار

کتابین ہین، جنمین زیادہ تر پرانے مطبعون کی چھپی ہوئی اور بعض قلمی کتابین ہین، ہم نہایت منت پذیری اور احسان مندی

کے ساتھ ان دونون صاحبون کا بدل شکریہ ادا کرتے ہین، اور دعا کرتے ہین کہ اللہ تعالیٰ اس کتب خانہ کے بانیون

اور معطیون کو اپنے فضل و کرم کی دولت سے مالا مال کرے، ساتھ ہی ہم اپنے بھائی مولوی حامد صاحب نعمانی خلف الصدق

مولانا شبلی نعمانی کے بھی مشکور ہین جنھون نے ان صاحبون کو اس کتبخانہ کو دار المصنفین مین منتقل کرنے کا نیک مشورہ

دیا، کہ الدال علی الخیر کفاعلہ،

اس کتب خانہ کے قلمی ذخیرہ مین سے چند کتابین قابل ذکر ہین، عوفی کی نادر کتاب جوامع الحکایات و لوامع الروایات

جو سلطان التمش کے زمانہ مین ہندوستان مین تالیف ہوئی تھی، شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید کا نہایت پاکیزہ نسخہ

جو دکن کے قطب شاہی کتبخانہ کی یادگار ہے، دانش نامۂ جہان (مؤلفہ غیاث الدین علی بن علی امیران الحسنی الاصفہانی)

کا ایک نادر نسخہ جو عہد اکبری کی یادگار ہے، اور اس پر "اللہ اکبر" کے ساتھ مرزا محمد معتمد خان (یکے از امراے اکبری و جہانگیری)

کے دستخط ہین، اور بابا محمد کی مہر ہے، یہ علم طبیعیات مین فارسی زبان مین لکھی گئی ہے، افسوس ہے کہ آخر کے چند اوراق نہین

ہین، کتاب المدخل فی احکام النجوم محی الدین بن محمد المغربی الاندلسی (کسی قدر کرم خوردہ ہے) معدن الحقائق شرح

کنز الدقائق تصنیف محمد بن محمد حسن السمرقندی، دیوان قاسم انوار (غالباً کسی شاہی یا امیری کتبخانہ کا ہے) بخط ولایت

تہذیب الکلام لمحمد بن حسن الطوسی، سیرۃ عمری تالیف محمد سلطان محمود، سلک السلوک دکلیات وجزئیات مولانا ضیا نخشبی

ہمارے ہندو اہلِ قلم اور علم پرور احباب جس طرح اسکولون اور کالجون کے ہندو طلبہ اور عام ہندوؤن کو عموماً تاریخ کے پردہ مین گھڑے ہوئے افسانے سنا سنا کر گمراہ اور متعصب بناتے رہتے ہین، اس کی ایک تازہ مثال ہمارے کانون تک پہنچی ہے، احاطہ بمبئی کے ایک مقام ہاہی کنتھا ایجنسی سے گجراتی ہندو ہیڈ ماسٹرون کی تالیف سے ابتدائی گجراتی اسکولون کے لیے ایک مجموعۂ مضامین شائع ہوا ہے، جس کا نام "سموددسنگرہ" ہے اس کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ ۱۶۲ مین ایک مضمون ہے جس کا عنوان "سچی بہادری" ہے، اس مضمون مین بصورت مکالمہ درگا داس (ملازم جسونت سنگھ) اور دلیر خان اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی "ارمنی بیوی یا لونڈی گلنار بیگم" اور کام بخش شہزادہ کی باہمی گفتگو قلمبند کیگئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ بادشاہ کی یہ ارمنی بیگم درگا داس پر جو اس وقت عالمگیر کے ہان قید تھا، عاشق ہو گئی تھی اور اس غرض سے وہ چھپکر قید خانہ گئی ہے کہ درگا داس کو ڈرا دھمکا کر اور سمجھا بجھا کر اپنی محبت پر راضی کرلے، لیکن بہادر شریف راجپوت صاف جواب دیتا ہے، اور اس ننگ کو گوارا نہین کرتا، اتنے مین بیگم کا فرزند شہزادہ کام بخش داخل ہوتا ہے اور بیگم شہزادہ کو درگا داس کے قتل کا حکم دیتی ہے، ابھی کام بخش کی تلوار ہوا ہی مین بلند ہوتی ہے کہ شہنشاہ کے افواج قاہرہ کا سپہ سالار دلیر خان داخل ہوتا ہے اور اس گفتگو کو سنکر بیگم اور کام بخش کو ملامت کرتا ہے، اور اس بہادر راجپوت کی شرافت سے متاثر ہو کر اس کو رہا کرتا ہے اور اپنے ۵۰۰ سوارون کی حفاظت مین اسکو راجپوتانہ بھیجدیتا ہے،

یہ ہے اس تاریخی افسانہ کا خلاصہ جو گجرات کے بچون کو پڑھانے کے لیے منتخب کیا گیا ہے، واقعہ کیا ہے؟ درگا داس جو جسونت سنگھ والی جودھپور کا ملازم تھا، اور اس کی صوبہ داری کابل کے زمانہ مین اس کے ساتھ تھا، اور جو کابل مین اس کے مرنے کے بعد اس کے دونون بیٹون کو لیکر بادشاہی اجازت کے بغیر راجپوتانہ بھاگ

تھا، اور جس نے اکبر (اورنگ زیب کے لڑکے) کو بغاوت پر آمادہ کرکے اور اس کو ساتھ لیکر سنبھاجی مرہٹہ کے پاس چلا آیا تھا، وہ کبھی گرفتار ہی نہین کیا گیا، گلنار بیگم اورنگ زیب کی مدخولہ کنیز کا نام تھا جو کام بخش کی ماں تھی، گلنار کو بعض یورپین سیاحون نے ارمنی بتایا ہے، بعضون نے اودیپوری لکھا ہے، بہرحال کوئی بھی ہو کیا کوئی بے غیرت سے بے غیرت عورت یہ کر سکتی ہے کہ اس قسم کے ناجائز تعلق کے بیچ مین اپنے جوان لڑکے کو واسطہ بنائے، پھر ایسی حالت مین کہ کام بخش اس کا لڑکا پورا جوان ہو چکا ہے اس کی ماں کی عمر چالیس سے کیا کم ہوگی، کیا اس سن و سال کی عورت اس عشق کے سودائے خام مین گرفتار ہو سکتی ہے، اور کیا اورنگ زیب سے واقف کار کبھی گلنار کے اس فقرہ کو تسلیم کر سکتا ہے، "مجھے شہنشاہ کی پروا نہین وہ خود میرے حکم کا غلام ہے"

اس قسم کی بے اصل اور بے بنیاد مضامین کی اشاعت سے ہندو مرہٹی، گجراتی، اور بنگالی انشاپردازون کا مقصود کیا ہے؟ اگر صرف اپنی خیالی انشاپردازی کا زور قلم دکھانا ہے تو اس کیلئے جاندار مخلوقون کے بجائے جو گو اس وقت مردہ ہین، بیجان مخلوقات کی طرف سے مکالمہ زیادہ مناسب ہے کہ نہ وہ خود جواب دینے کی قدرت رکھتے ہین، اور نہ کوئی ان کی حمایت مین زبان کھولے گا، اور اگر تاریخی واقفیت کا اشتہار مقصود ہے تو ابھی خالص ہندوستان کی خاک مین اس جوہر کے پیدا ہونے کے لیے زمانہ درکار ہے، پھر اس مکالمہ کو افسانہ کہا جائے یا تاریخ؟ کیا ہمارے ہندو اہل قلم یہ چاہتے ہین کہ جس طرح اپنی تاریخ کو انھون نے "خرافاتِ کہن" بنا لیا ہے، اسلامی تاریخ کو بھی اسی درجہ پر لے آئین؟

ہم نے ہندو مورخون سے بارہا کہا ہے اور اب پھر کہتے ہین کہ ہندوستان کی بھلائی مقصود ہے، تو منافرت اور کشمکش کے واقعات پھیلانے کے بجائے اگر وہ ان واقعات کا انتخاب کرین جن سے ملک کی ان بڑی دو قومون مین

میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو تو یہ اس بدنصیب ملک کی سب سے بڑی خدمت ہوگی، ورنہ اس قسم کی خرافات نگاری سے نہ وہ علم کی خدمت کر رہے ہین، اور نہ قوم کی،

سوویٹ روس نے جہان اور علمی سلسلون کو وسعت اور ترقی دینے کی کوشش کی ہے وہان خالص عربی زبان کی تعلیم اور عربی کتابون کی اشاعت کی طرف بھی توجہ کی ہے، چنانچہ لینن گراڈ مین مشرقی علوم کا ایک خاص کالج [illegible] کیا گیا ہے، اس کی عربی مدرسی کا منصب ایک خاتون کو جو شاید مسلمان ہون ملا ہے، خاتون موصوفہ کا نام "کلثوم نصر عودہ واسیلیوا" ہے، موصوفہ نے جدید عربی ادبیات کے بہترین نمونون کے اقتباسات ایک سلسلہ مین جمع کئے ہین اور کالج کے عربی پروفیسر اغناطوس کراچکودکی نے ان کو مرتب کرکے چھپوایا ہے، بالشویک روس کی عربی زبان کی ترقی و اشاعت کی طرف یہ توجہ آج خود ہم مسلمانون کے لیے عبرت کا باعث ہے، جو روز بروز عربی زبان اور اسکے علوم سے بے بہرہ ہوتے جانا ہی اپنا کمال سمجھتے ہین،

دار العلوم ندوۃ العلماء مین جاوا کی ایک اسلامی مجلس کی طرف سے وہان کا ایک طالب العلم حصول تعلیم کی غرض سے آیا ہوا تھا، چند مہینے ہوئے کہ وہ ایک خانگی ضرورت سے واپس جانے پر مجبور ہوا، وہان سے اس نے اپنی مجلس کا حال، اور اس مجلس کے ماتحت مسلمان لڑکیون اور لڑکون کے جو اسکول ہین، ان کے فوٹو بھیجے ہین اور زیر تعمیر عمارت کا عکسی نقشہ بھی بھیجا ہے، انکو دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر اسلامی ملک مین کچھ ایسے نفوس پیدا کر دیے ہین، جو صحیح خیالات کے ساتھ صحیح بنیاد پر کام مین مصروف ہین،

اسی سلسلہ مین اس دور افتادہ ملک کا تذکرہ کرنا ہے جو سو برس سے ترکون کی اسلامی حکومت سے نکلکر روس کی حکومت مین داخل ہو گیا تھا یعنی کریمیا، یہ اسلام کا پرانا تاریخی مقبوضہ ہے، یہان تاتاری مسلمانون کی خاصی آبادی ہے

بحر اسود پر یہ کبھی اسلامی علوم و فنون اور تمدن کا گہوارہ تھا، خبر یہ تھی کہ بالشوزم کے سیلاب نے اسکو "بحر اسود" مین ڈبو دیا یا ہنوز "بحر احمر" سے اس کا تعلق باقی ہے، اب یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ یہان کے مسلمانون نے "جدید اسلام" اور "قدیم اسلام" مین موافقت اور تطبیق کی صورت پیدا کر لی، چنانچہ ایک روشن خیال عالم حاجی مصلح الدین خلیل نے (جن سے ایام حج مین بسلسلۂ وفد موتمر اسلامی میری ملاقات بھی ہے) ایک اسلامی مذہبی تمدنی رسالہ "عصری مسلمانلق" یعنی جدید اسلام شائع کرنا شروع کیا ہے، رسالہ کریمیا کی "مسلمان قلق ادارہ ئی شرعیہ سی" اسلامی شرعی مجلس کی طرف سے شائع ہوتا ہے، رسالہ کی زبان ترکی ہے،

اسکے دوسرے حصۂ ایشیائی یعنی قفقاز (ممالک کوہ قاف) کی طرف سے استانبول سے ایک ترکی رسالہ "یکی قافقاسیا" یعنی جدید قفقاز شائع ہونا شروع ہوا ہے، یہ رسالہ اخلاقی تمدنی اور سیاسی مسائل پر گفتگو کرتا ہے، زیر نظر رسالہ ایلول ۱۹۲۷ء (ربیع الاول ۱۳۴۶ھ) کا ہے، یعنی پورا ایک سال پیچھے کا، اڈیٹر کا نام سلطان احمد ہے، اور مضامین مین آذربائجان اور قفقاز کے مسلمانون کے تمدنی و سیاسی حالات پر بحث ہوتی ہے، ہم اس قسم کی اطلاعات کو صرف اس غرض سے ناظرین تک پہنچاتے رہتے ہین تاکہ انھین یقین ہو کہ اسلام مرنے والا مذہب یا مسلمان دنیا مین مردہ قوم نہین ہین، اور عنقریب اس بحرانی فتنہ کے سیلاب سے ان کا سفینۂ حیات بخیر و خوبی گذر جائے گا،

مولانا شبلی مرحوم اور دار المصنفین کی سیرت کی کتابون کی مانگ بہت زیادہ رہتی ہے، اور چونکہ ہم کتابون کو بہتر سے بہتر ممکن صورت مین چھاپتے ہین اسلیے قیمت مین بہت زیادہ ارزانی پیدا نہین کر سکتے، گوکہ ہم دوسرے دار الاشاعتون کے مقابلہ مین قیمتین اب بھی کم رکھتے ہین، مگر بہرحال تاہم تعمیم علم کی تشویق، اور اصلاحی خیالات کی اشاعت کی غرض سے ہمنے سب سے پہلی دفعہ یہ اعلان کیا ہے کہ مولانا شبلی اور دار المصنفین کی کتب سیرت (یعنی سیرۃ نبوی، سیر الصحابہ، سیر الانصار، سیرت عائشہ، خلفائے راشدین) وغیرہ کی قیمتون مین ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے خاص طور سے رعایت کیجائیگی، چنانچہ تمام روزانہ اخبارات مین ہمارے اعلانات شائع ہوئے ہین، ہمکو امید ہے کہ ہمارے ناظرین خود اور ان کی کوشش سے انکے احباب اس رعایت سے فائدہ اٹھائین گے، یہ رعایت یکم ربیع الاول سے لیکر آخر ماہ تک قائم رہیگی،

مقالات

پنجاب میں اردو

از

سید نجیب اشرف ندوی، ایم اے،

اگر یہ حقیقت صحیح ہے کہ پرانے کھنڈر، بوسیدہ عمارتیں، زنگ خوردہ اسلحہ، قدیم کپڑے، عہد ماضی کے ظروف تاریخی سکّے، کتبے، اور دوسری اثری چیزیں ہم کو ایک قوم کے عہد ماضی کے تمدن و تہذیب، معاشرت و عمرانیت علوم و فنون، صنعت و حرفت کو بتاتی ہیں، تو اس سے صحیح تر حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم کی تاریخ، اس کی ادبیات اور اس کے ذہنی کارنامے ان سے کہیں واضح تر طریقہ سے ان نتائج تک ہماری رہنمائی کرتے ہین، پنجاب کے مشہور محقق انشا پرداز جناب پروفیسر محمود شیرانی نے اسی اصول کو پیش نظر رکھکر اپنی زیر تنقید پُراز معلومات تصنیف میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان کی مشترک زبان "اردو" نے اپنا ابتدائی دور ارتقا پانچ دریاؤن والی سرزمین مین گذارا ہے، اور ابتدائی اردو کو پنجابی سے بہت کچھ مناسبت مشابہت اور مماثلت ہے، چنانچہ وہ اپنے عرض حال مین اسکی تشریح ان الفاظ مین کرتے ہین:

"اردو زبان کے آغاز کا سرزمین پنجاب سے منسوب ہونا کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ نہین ہے، اس سے پیشتر پنڈت کیفی (بعقیدۂ خود مذاق کے طور پر) اور شیر علی خانصاحب سرخوش اپنے پُرلطف تذکرہ "اعجاز سخن" مین اس قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے ہین، مگر اس کتاب مین اس موضوع پر تفصیل کیساتھ نظر ڈالی گئی ہے"[1]

کتاب کی ترتیب یہ ہے، سب سے پہلے ایک مقدمہ (۱-۵) ہے، اسے اجمالاً کتاب کا خلاصہ کہنا چاہیے، اس کے بعد اردو کے مختلف نامون ان کی وجہ تسمیہ اور اردو کے نام سے موسوم ہونے کا ذکر ہے، (۱-۲۳) تیسرے باب

[1] پنجاب مین اردو ص ۱،

مین ہندوستانی زبان کے فارسی پر اثر کے ساتھ ہی ابتدائی اسلامی حکومتون کے پنجاب سے تعلق پر بحث کیگئی ہے، (۲۴-۵۰) چوتھا باب پنجاب ہے اور اس مین مشاہیر پنجاب، پنجاب و لہندا کی وحدانیت اور پنجابی کے مصنفین پر مختصراً اظہار خیال کیا گیا ہے، (۵۰-۵۵) اس کے بعد پانچوان باب جس کو اس کتاب کی جان کہنا چاہیے شروع ہوتا ہے، اور اس مین اردو اور پنجابی کے صرفی و نحوی قواعد کی یکسانیت اور بعض توابع کا پنجابی مین بامعنی ہونا دکھایا گیا ہے، اور اس طرح دونون زبانون کو ایک ہی قسم کا ثابت کرکے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ چونکہ یہ دونون زبانین یکسان معلوم ہوتی ہین اس لیے یقیناً اردو پنجابی ہی سے نکلی ہے، (۵۶-۹۶) اس کے بعد والے باب کو باب ماسبق کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے، کہ اس مین قدیم اردو پر پنجاب کا اثر بتایا گیا ہے، (۹۷-۱۰۴) پھر برج بھاشا، (۱۰۵-۱۰۷) برج کی بعض خصوصیات (۱۰۷-۱۰۹) مسلمان اور ہندی زبانین (۱۱۰-۱۲۱) کے عنوان سے تین باب ہین، اس کے بعد گوی چند کی پرتھی راج راسا پر تنقید ہے، پھر پندرہ پرانے مسلمان انشا پردازون کے حالات اور انکی تحریرون کے نمونے ہین اور امیر خسرو کے ضمن مین خالق باری پر ایک سیر حاصل تنقید (جو اردو رسالہ مین عرصہ ہوا شائع ہو چکی ہے) بھی ہے (۱۲۱-۲۰۳) اس کے بعد لسانی و طبی تصانیف سے اردو کی قدامت کی شہادت دیگئی ہے (۲۰۵-۲۲۰) اور اس کے بعد آخری باب پنجاب مین اردو (جس کی مناسبت سے کتاب کا بھی یہی نام رکھا گیا ہے) مین حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے غلام قادر جلال پوریہ تک ۳۳ اشخاص کی نظمون اور دو صاحبون کی نثر کے نمونے دیے گئے ہین، (۲۲۳-۳۱۱) اور اس طرح یہ کتاب تقریباً ۳۲۵ صفحات پر مشتمل ہے،

جناب پروفیسر محمود شیرانی صاحب آج سے چند سال قبل تک ادبی دنیا مین بہت کم معروف تھے، اور انکی تنقید شعر العجم سے پہلے شاید پنجاب سے باہر ہندوستان کے بہت ہی کم لوگ ان کی وسعت تحقیق، فراوانی معلومات اور خداداد علمیت و ذہانت سے واقف تھے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انھون نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ مین بھی علمی تحقیق و مطالعہ مین صرف کیا ہے، اور اسی بنا پر ان کی ہر تحریر ادبی دنیا کے لیے ایک بیش قیمت ملکیت اور اصحاب فکر کے لیے ایک گران بہا دولت ہوتی ہے، اور ان کا ایک ایک حرف نہایت افادی شوق اور طالب علم

ذوق سے بڑھا جاتا ہے، وہ جس چیز پر بھی قلم اٹھاتے ہین اس مین تحقیق و معلومات اور فلسفیانہ تنقید و نتائج کے دریا بہادیتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تحریر خاص توجہ کے ساتھ دیکھی جاتی ہے،

اس کتاب مین لائق مصنف نے ایک خاص خیال کو پیش نظر رکھکر ایک خاص ترتیب کی پیروی کی ہے، اور اپنے مطلوبہ نتائج تک پہنچنے کے لیے جو شکلین مرتب کی ہین وہ اگرچہ اصولاً، نہایت ہی بیجا ہین، مگر اس کے ساتھ ہی اس عام حقیقت سے بھی چشم پوشی نہین کیجاسکتی کہ جب ایک شخص کسی چیز کو ثابت کرنا چاہتا ہے تو وہ ہر واقعہ کو ایک ایسی روشنی اور ایسے الفاظ مین پیش کرتا ہے کہ اس سے اس کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہو، اور پروفیسر صاحب موصوف نے بھی ایسا کرنے سے گریز نہین کیا ہے، جس کا ثبوت ہم آگے چلکر دینگے، اب ہم کتاب کی ترتیب کے مطابق اس سے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہین،

پروفیسر صاحب موصوف اردو کے لفظ کے استعمال پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہین:۔

"ہندوستان مین اس لفظ کا استعمال بابر کے عہد سے ہونے لگا ہے[1]"

اور اس کے ثبوت مین عبدالرحیم خان خانان کے تزک بابری کے فارسی ترجمہ سے ایک عبارت نقل کی ہے، لیکن اگر ہم اس عہد سے پہلے کی کتاب تاریخ فیروز شاہی مصنفہ شمس عفیف کا جس سے لائق مصنف نے کثرت سے استفادہ کیا ہے، مطالعہ کرین تو ہمکو معلوم ہوگا کہ یہ لفظ اس مین موجود ہے، اور دو جگہ مورخ نے اسے لکھا ہے، لیکن چونکہ دونون عبارتین ایک ہی صفحہ پر ہین، اس لیے بہت ممکن ہے کہ ان کی نظر اس پر نہ پڑی ہو، بہرحال ہم دونون عبارتون کو دیدیتے ہین،

(۱) "و بآوازۂ بذل عطا از ہر چہار جانب خلق متوجۂ اردوے اد گردید"

(۲) "و در ہر دو لشکر اخبار مختلف مذکور می شد کہ خواجہ جہان برآن قرار دادہ کہ چون لشکر سلطان بدہلی رسد امرا کہ در اردوے ظفر قرین اند اتباع آنہا را دیدہ در پلۂ منجنیق نہادہ خواہد انداخت[2]"

[1] پنجاب مین اردو ص۲ [2] تاریخ فیروز شاہی، سراج عفیف ص۵۳-۵۴،

اسی طرح زبان کے معنی مین اس کا رواج پروفیسر صاحب کے خیال مین تحسین نے کیا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہین:۔

"ادبیات مین سب سے پیشتر میر عطا حسین خان تحسین نے یہ نام اختیار کیا، چنانچہ نوطرز مرصع تالیف ۱۲۱۳ھ کا یہ فقرہ ہے[1]"

لیکن میرا خیال ہے کہ میر صاحب نے اپنی سوانح عمری ذکر میر مین جو ۱۱۹۷ھ مین تحسین کی کتاب سے تقریباً ۱۶ سال پہلے کی تصنیف ہے، اس کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب اس وقت تک شائع نہین ہوئی تھی، اسلیے بہت ممکن ہے کہ پروفیسر صاحب کو اس کے استفادہ کا موقع نہ ملا ہو، میر صاحب تحریر فرماتے ہین:۔

"بعد از چندے با سعادت علی نام، سیدے کہ از امروہہ بود دوچار خوردم آن عزیز مرا تکلیف موزون کردن ریختہ کہ شعریست بطور شعر فارسی بزبان اردوے معلّی بادشاہ ہندوستان و دران وقت بسیار رواج داشت، کردید[2]"

اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ یہی "اردو" کا لفظ ہورڈے (HORDE) کی شکل مین یورپ کے مختلف ممالک مین مغل فوج، قبیلہ یا غیر منتظم جماعت کے معنی مین مستعمل ہے[3]،

یہ سچ ہے کہ اردو کی جگہ ریختہ، ہندی یا ہندوی کا لفظ عہد قدیم سے استعمال ہوتا آیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم کو امیر خسرو کا ایک ایسا بیان ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنسکرت کو بھی "زبان ہند" کے نام سے استعمال کرتے ہین، اور چونکہ دوسری زبانین اسی سے نکلی ہین، اور وہ اس وقت متروک ہین، اس لئے ان کے بیان کرنے کے وقت، وہ ہندی یا زبان ہند کو، کسی ایک خاص خطہ کی زبان نہین بتاتے، چنانچہ اپنی مشہور مثنوی دول رانی خضر خان مین لکھتے ہین:۔

زبان ہند ہم تازی مثال است | کہ آمیزش در آنجا کم مجال است

[1] پنجاب مین اردو ص۲ [2] ذکر میر ص۶۷ [3] دیبسٹر ڈکشنری ص۱۰۴۳

گر آئین عرب تو خواست دگر صرف ــــ از آن آئین درین کم نیست یک حرف[1]

لیکن اس کے ساتھ ہی غرۃ الکمال کے دیباچہ میں انھون نے مسعود سعد سلمان کے متعلق "ہندوی" کا ذکر کیا ہے، عوفی بھی ہندوی ہی کہتا ہے، اور جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ انشا بھی عربی و فارسی الفاظ سے معری عبارت کو "ہندوی" ہی کے نام سے یاد کرتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ زبان ہند سے سنسکرت مراد لیجاتی تھی، اور پراکرت کے لیے "ہندوی" کا لفظ تھا اور یہی لفظ کثرت استعمال سے "ہندی" ہو گیا، انشا کے الفاظ یہ ہین :-

"ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان مین چڑھ آئی، کوئی کہانی ایسی کہئے جس مین ہندوی چھٹ اور کسی بولی سے پٹ نہ ملے"[2]

چونکہ عوفی اور خسرو کی عبارتین کتاب مین موجود ہین، اسلیے ان کو نقل نہین کیا گیا، بعد مین ہندی و ہندوی دونون استعمال ہونے لگے، اور پھر صرف ہندی رہ گیا،

سنسکرت کے لیے "ہندی" کے استعمال کے متعلق الیٹ کی تاریخ مین بھی کافی مواد موجود ہے، چنانچہ "سنسکرت اور مسلمان" کے عنوان سے جو ضمیمہ شامل کیا گیا ہے، اس مین اس موضوع پر اس طرح اظہار خیال کیا گیا ہے :-

"جب اس عہد (عہد اکبری) کا مسلمان "ہندی" کا لفظ استعمال کرے تو وہ مشتبہ معنی پیدا کرتا ہے، مثلاً نظام الدین کا بیان ہے کہ عبد القادر نے ہندی کی متعدد تصانیف کا ترجمہ کیا ہے، اب ہم کو معلوم ہے کہ عبد القادر نے دوسری تصانیف کے علاوہ، رامائن اور سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ کیا ہے، یہ بہت زیادہ ممکن ہے کہ یہ کتابین ہندی کی جگہ سنسکرت کی ہون، عبد القادر اور فرشتہ دونون ہم کو بتاتے ہین کہ مہابھارت کا ہندی سے فارسی مین ترجمہ کیا گیا، اول الذکر اس کو نقیب خان کی طرف منسوب کرتا ہے اور موخر الذکر فیضی کی طرف، یہان بھی بہت ممکن ہے کہ اس سے سنسکرت ہی مراد ہو، ایک دوسری جگہ عبد القادر کہتا ہے کہ اتھروا وید کا ہندی سے ترجمہ کرنے کے لیے کہا گیا، لیکن چونکہ طرز و معنی سخت مشکل تھے اس لیے

[1] دولرانی خضر خان ص۴۲ [2] انشا کی کہانی رسالۂ اردو جلد ۲۲ ص۲۶۹،

اس نے اس سے انکار کیا، اور بعد مین حاجی ابراہیم سرہندی نے نہایت ہی اطمینان بخش طریقہ پر اس کام کو انجام دیا، یہان پر یہ بہت صاف ہے کہ ہندی سے سنسکرت کے سوا کوئی دوسری چیز مراد نہین ہو سکتی"[1]

اسی مضمون مین ایک اور جگہ ہے :-

"اس عہد (عہد فیروز شاہ تغلق) مین سنسکرت سے ایک عام واقفیت ضرور پیدا ہو گئی تھی، کیونکہ لکھنؤ کے شاہی کتب خانہ مین ایک کتاب علم بیطاری پر ہے، یہ غیاث الدین محمد شاہ خلجی کے حکم سے سنسکرت سے ترجمہ کی گئی تھی، اس کتاب کا نام قرۃ الملک ہے اور ۷۸۳ھ ۱۳۸۱ء مین سالوتر سے ترجمہ کی گئی تھی، یہ ایک ہندوستانی برہمن کا جو سسرتا کا استاد تھا نام ہے، دیباچہ مین لکھا ہے کہ اس کا "موحشانہ ہندی" سے سلیس فارسی مین اس لیے ترجمہ کیا گیا ہے کہ آئندہ کفار سے استصواب کی ضرورت پیش نہ آئے"[2]

اس ابتدائی بحث کے بعد پروفیسر صاحب موصوف نے اردو کے مختلف نامون ہندی اور ریختہ پر بحث کرتے ہوئے نہایت ہی مدلل طریقہ سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کس طرح ریختہ موسیقی کی اصطلاح سے ترقی کرتا ہوا اردو کے معنی مین آگیا، اور انھون نے اس کے متعلق جو نظریہ قائم کیا ہے، اور اس کے متعلق جو ثبوت بہم پہنچائے ہین ان سے ان کی وسعت معلومات کا پتہ چلتا ہے، اب تک کسی نے بھی اس مرتب مدلل طریقہ سے اس موضوع پر قلم نہین اٹھایا تھا اور عام طور سے ریختہ کے لفظی معنی کے اعتبار سے اس کی تشریح کر دی جاتی تھی، رہا میر تقی کے اقسام ریختہ کی بحث سو انھون نے تو بجائے چار کے چھ قسمین بتائی ہین[3]، لیکن آخری دو قسمون کو لفظی اعتبار سے ریختہ کی قسم نہین کہا جا سکتا اور لائق مصنف نے اسی لیے نہایت صحیح طریقہ سے چار ہی صورتون کو لیا ہے، مگر پروفیسر ممدوح کا یہ بیان کہ :-

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم میر صاحب کی اپنی ہے اور عام طور پر رائج نہین تھی"[4]

اور اس کے بعد ہی ان کا یہ جملہ کہ :-

[1] الیٹ تاریخ ہندوستان جلد ۵ ص۵۷۰ [2] ایضاً ص۵۷۳،

[3] نکات الشعراء ص۱۰۶-۱۰۷ ، [4] پنجاب مین اردو ص۱۶

"ریختہ کی غزلون مین یہ تقسیمین مخلوط شکل مین عام طور پر ملتی ہین۔"

ایک عام پڑھنے والے کے لیے ایک مجموعۂ اضداد پیش کر دیتا ہے، اردو مین اپچ کے معنی یہ ہین کہ کوئی ایسی بات کہی جائے جسکا سرے سے وجود ہی نہ ہو، حالانکہ واقعہ یہ نہین ہے، بلکہ انھون نے تمام شعرا کا کلام دیکھ کر یہ تقسیم اوسی مجتہدانہ طریقہ سے کی ہے، جس طرح ایک نحوی ایک زبان کے تمام الفاظ دیکھکر ان کو اسما، افعال اور حروف پر تقسیم کرتا ہے، بہر حال یہ کوئی اہم معاملہ نہین ہے اور اسے نہایت ہی آسانی سے نظر انداز کر دیا جاسکتا ہے، اسی سلسلہ مین یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ میر صاحب نے ریختہ کو بنالیا ہے اور مشاعرہ کی جگہ مراختہ کا لفظ استعمال کرتے ہین، چنانچہ لکھتے ہین:۔

"گاہ گاہ در مجلس مراختہ کہ این لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ، اند ملاقات میشود۔"[۲]

یہان پر ایک اور بات میرے ذہن مین آتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ قریب صحت ہو، میر تقی نے ریختہ کی چھ قسمین کی ہین، ان مین پانچوین ایہام بتائی، اور چھٹی کے متعلق لکھا ہے:۔

"ششم انداز است کہ ما اختیار کردہ ایم و آن محیط ہمہ صنعتہا است"[۳]

اب یہ بات قابلِ غور ہے کہ آخر ایہام بھی تو ایک صنعت ہے، تو پھر میر صاحب نے اوسے ایک خاص قسم قرار دی اور پھر اس کی تشریح کیون کی، ان تمام باتون پر غور کرنے کے بعد مین جس نتیجہ تک پہنچا ہون وہ یہ ہے کہ اس قسم سے میر صاحب کی مراد وہ کلام ہے جس کی بنیاد بعض ایسے ذومعنین الفاظ پر ہوتی ہے جن کے فارسی و اردو دونون معنی ہوتے ہین، اسکی دو مثالین یہ ہین:۔

رفتم بہ تماشۂ کنار جوئے — دیدم بلب آب زن ہندوئے

گفتم صنما چیست بہائے مویت — فریاد برآورد کہ درد رموئے

دیگر

[۱] پنجاب مین اردو صفحہ[۲] نکات الشعرا صفحہ ۱۵۶، [۳] ایضاً صفحہ ۱۸۱

حجام پسر بخوبی و رعنائی — دی آئینہ نمود بدان زیبائی

گفتم صنما دربرت آیم۔ نائیم — فریاد برآورد کہ نائی نائی

یہ وہ مثالین ہین جنہین فارسی و اردو کا ایہام پیدا کیا گیا ہے، اب خالص اردو کی مثالین دیکھیے جو ذومعنین ہین:

توخصم گن کر مشعلچین نے کیے

توبھی نہین رہتی دو شاخہ بن کے

یہ مقصدی نہین ملتے اگر بھانڈ دن سے راتون مین

توکیون پیسے کماتے ہین یہ نقلین کر براتون مین

دیکھو بکوان والی کی مزاجین — خصم کے رو بری دیتی ہے شاخین

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین تمھارے

کے بیرہم کو دوگے نازک بدن پیارے

اس لیے اگر ہم یہ تسلیم کر لین کہ میر صاحب نے چھ قسمین صحیح طور سے کی ہین اور صرف چار پر اکتفا کرنا ایک سرسری مطالعہ کا نتیجہ ہے تو کوئی دور از حقیقت بات نہ ہوگی،

اس کے بعد لائق مصنف نے یہ بتایا ہے کہ اردو کے لیے دوسرے صوبون مین کیا کیا الفاظ مستعمل تھے، اس مین انھون نے "دہلوی" دکنی اور گجری کا تذکرہ کیا ہے، دہلوی کا لفظ بہت کم مستعمل رہا ہے، گوجری یا زبان گجرات یا "بولی گجرات" کا اس سے زیادہ اور دکنی کا سب سے زیادہ،

تمام گجرات سے عموماً اور اس کے ساحلی مقامات سے خصوصاً مسلمانون کا تعلق پنجاب سے بھی زیادہ پرانا ہے، تجارتی تعلقات نے اس کو بھی ایک بڑا بازار بنا دیا تھا، اس لیے ہم دیکھتے ہین کہ یہان کی زبان جسے مصنفین گجری، یا گجراتی سے تعبیر کرتے ہین، اس عہد کی زبان خود دہلی کی زبان سے صاف ہے، پروفیسر صاحب نے خوب ترنگ مصنفہ ۹۸۶ھ کا حوالہ دیکر اس کے اشعار نقل کئے ہین، مرأۃ سکندری نے اس سے ۱۸۰ سال قبل

کا ایک شعر نقل کیا ہے، یہ شعر سلطان احمد گجراتی کے قتل کی تاریخ ہے صاحب مرأۃ سکندری نے لکھا ہے،

"شاعر ہندی کہ بزبان گجراتی تاریخ گفتہ نوشتہ می شود،

احمد خان کس برہ کس بس چھورا ساتھ

بابو پوچھے جو نچی کہین دو شنبہ رات[۱]

اسی کے ساتھ ہم کو ان جملون کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے جو مختلف اوقات مین مختلف مشائخ گجرات کی زبان سے نکلے ہین، کہ ان سے خود اردو کے مختلف حالات کا پتہ چلتا ہے، مرأۃ احمدی نے اس قسم کے چند جملے نقل کئے ہین،

اس مین دو جملے شیخ برہان الدین کے ہین:-

"کیا ہے، لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے،"[۲]

"بھائی محمود خوش ہوا سان تھین ڈانساتھین

وڈا اساندے گھر جلال جہانیاں آیا،"[۳]

تیسرا جملہ یہ ہے،

"راجن جی بکر وتی بدل بکر دی"[۴]

چوتھا جملہ یہ ہے:-

"بختیون نے پکائی اُنے بنجاریون نے کھائی"[۵]

صرف اتنا ہی نہین بلکہ سلاطین کے لقب اور بزرگون کے نام تک ایسے ہی ہوتے تھے، سلطان محمود کا لقب "بیگڑہ" تھا، مشائخ کے نام موسی سہاگ، سید بڈھا، شیخ راجو، شیخ ڈوشن، شاہ بھیکن وغیرہ وغیرہ زبان ہندوستان کی ماتحت سرخی کے ماتحت لائق مصنف تحریر فرماتے ہین:-

۱؎ مرأۃ سکندری ورق ۵۹ ۲؎ مرأۃ احمدی جلد ۱ ص ۳۱ ۳؎ ایضاً ص ۳۱ ۴؎ ایضاً ص ۳۶ ۵؎ ایضاً صفحہ ۸،

"پرانے مغربی مصنفین کبھی اس کو لینگویج آف اندوستان یا ہندوستان اور بعد مین ہندوستانی کہنے لگے ہمارے ہان عام خیال یہ ہے کہ انگریزون نے یہ نام دیا ہے، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ خود ہمارے اسلاف اس کو زبان ہندوستان یا بولی ہندوستان کہتے ہین"[۱]

پرانے مغربی اشخاص نے اسکے صرف یہ دو نام ہی نہین رکھے تھے وہ جس طرح ہر مسلمان کو مور (MOOR) کے نام سے یاد کرتے تھے اسی طرح انکی زبان کو بھی مورس (MOORS) کہتے تھے چنانچہ مسٹر ایچ، ٹی، کولبرک (H.T. COLE-BROOK) جو بعد مین ایک محقق مستشرق کی حیثیت سے ممتاز ہوئے جب ہندوستان آنے لگے تو ان کے والد نے ان سے یہان کی زبانون کے سیکھنے کی ہدایت کی تھی، چنانچہ یہان پہنچکر انھون نے یہان کی زبانون کے متعلق جس خیال کا اپنے ایک خط مین اظہار کیا ہے، اس مین یہان کی زبان کو مورس ہی کے نام سے یاد کیا ہے، وہ لکھتے ہین:-

"آپ کہتے ہین کہ مین زبانون کے سیکھنے مین محنت کرون، میرا خود بھی یہی ارادہ ہے، لیکن اس بات کا کوئی خطرہ نہین ہے کہ مجھے اس مین زیادہ محنت کرنا پڑے گی، ان مین سے ایک جو بیحد ضروری ہے یعنی مورس، چونکہ لکھی نہین جاتی اس لیے اس پر پوری توجہ کا موقع نہین، رہی دوسری فارسی سو وہ اتنی خشک ہے کہ وہ میری توجہ کو جذب نہین کر سکتی، اور نہ اس کی زیادہ ضرورت ہی ہے، اس لئے مین نہایت اطمینان سے اس کو سیکھ رہا ہون"[۲]

رہا ہمارے اسلاف کا معاملہ سو وہ ان اصطلاحون کے علاوہ ہندوستانی کا لفظ بھی استعمال کرتے تھے، اور اگر عبد الحمید لاہوری کا بیان صحیح مان لیا جائے اور اس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہین ہوتی تو یہ بات بھی تسلیم کرنا پڑے گی کہ خود شاہجہان کے دربار مین اس "ہندوستانی" کے شاعر و نثر نگار موجود تھے، اورنگ زیب نے ہاتھی کی لڑائی مین جو بہادری دکھائی تھی، اس کی خوشی مین جو جشن منایا گیا تھا اس کے متعلق عبد الحمید لکھتا ہے:-

۱؎ پنجاب مین اردو ص ۲۳ ۲؎ کلکتہ ریویو جلد ۱، ص ۱۵۳،

سخن طرازانِ فارسی و ہندوستانی بنظم و نثر داستانِ آن رستم آثار برگذارند و دامن امید بجواہر عطایا برآمودند[1]"

اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عبدالحمید ہندوستانی کو اس وقت کی اردو ہی کے متعلق استعمال کرتا ہے، اور برج بھاشا کو ہندی کے لفظ سے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"یمین الدولہ روز نار دار ترہتی از نظر اقدس گذرانیدہ معروض داشت کہ این ہر دو، دہ بیت ہندی کردہ شاعر تازگی گفتہ باشند و گوش زد ہیچ کس نشدہ باشد بیک شنیدن یاد می گیرند، و آن ابیات را بہمان ترتیبے کہ شعراء گفتہ و خواندہ باشند از بر خواندہ دہ بیت دیگر بہمان وزن و مضمون در بدیہہ می گویند"[2]

عبدالحمید نے ہندوستانی کے متعلق اپنی دوسری جلد مین بہت مفصل طریقہ سے اظہارِ خیال کیا ہے اور جو صاحب اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہین اس کو دیکھ سکتے ہین[3]

اردو کے آغاز اور اس کے متعلق ہمارے بزرگون کی رائے کے سلسلہ مین جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ لفظ بلفظ صحیح ہے، مگر یہان پر مین اپنا نظریہ پیش کرنا چاہتا ہون، جو میری ذاتی "اپج" ہے، اور اس کو اس کتاب کی تنقید سے کوئی واسطہ نہین، اور وہ یہ ہے کہ مغلون کے زمانہ تک یہان جو زبان بولی جاتی تھی "ہندی" "ہندوی" یا "دہلوی" وغیرہ کے نام سے مستعمل تھی، لیکن مغلون کے وقت سے یہ زبان اردوے معلی یا "اردو" کے نام سے موسوم ہوئی اور ہمارے بزرگ اردو سے جس زبان کو مراد لیتے ہین وہ یہی "ہندی" ہے جو مغلون کے زمانہ مین بولی جانے لگی تھی، اور جس کی بڑی خصوصیت فارسی الفاظ کی بھرمار ہے، چنانچہ شیخ باجن کا جو کلام [illegible] پر دیا گیا ہے اس مین صرف ایک لفظ "خاصے" ہے اور بس؛

اردو کے برج سے نکلنے کے متعلق بھی جو خیال ظاہر کیا گیا ہے، وہ بڑی حد تک صحت پر مبنی ہے، لیکن اس کے

[1] بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری جلد ۱ ص ۴۴۳، [2] ایضاً جلد ۱ ص ۹-۲۷۸، [3] ایضاً جلد ۲ ص ۶-۵،

ساتھ مصنف کے ان الفاظ کو بھی یاد رکھنا چاہیے:-

"برج سے چند ترمیمین قبول کر لینا یا الفاظ کا مستعار لینا دوسری بات ہے[1]"

مسلمانون نے محمد بن قاسم کے وقت سے فاتحانہ طریقہ سے ہندوستان پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا، لیکن تجارتی حیثیت سے ان کے تعلقات اس سے قدیم ترین، بری اور بحری دونون راستے کھلے ہوئے تھے اور عرب اور ایرانی تجار کثرت سے ساحلی مقامات پر آتے جاتے تھے، اور یونانیون کی طرح انھون نے بھی بعض مقامات کو اپنایا تھا، اسلامی فتوحات کے بعد تو ملتان، ملاحدہ و قرامطہ کا مرکز بن گیا تھا، اور چونکہ ان کا سب سے بڑا مرکز ایران ہی تھا اس لیے اس کے اثر سے انکار نہین کیا جا سکتا، اسی لیے اگر ہم فارسی شعراء کے کلام مین ہندی کے الفاظ پاتے ہین تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے، عہد اسلامی کی فارسی تصانیف اور شعراء کا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جون جون حکومت کو زمانہ گذرتا جاتا ہے، ہندی الفاظ بکثرت مستعمل ہوتے جاتے ہین، حتی کہ اگر آئین اکبری کے تمام الفاظ جمع کیے جائین تو ایک چھوٹا سا لغت تیار ہو سکتا ہے، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ جو ایرانی شعراء مغلون کے دربار مین آتے ہین وہ بھی ہندی کے الفاظ استعمال کرنے لگتے ہین، امیر خسرو سے ہندی کے الفاظ کثرت سے استعمال ہونا شروع ہوتے ہین بلکہ اگر ہم عوفی کی جامع الحکایات کو صرف مجموعۂ قصص نہ سمجھین تو ہم کو ماننا پڑے گا کہ محمود غزنوی سے بہت پہلے گجرات مین بھی مسلمانون کی آبادی تھی اور وہان کے لوگ ہندی بولتے تھے، چنانچہ جب وہان کے باشندون نے مسلمانون کو ستایا اور وہان کی مسجد منہدم کر دی تو وہان کے امام و خطیب علی نے جو درخواست پیش کی وہ ایک ہندی قصیدہ کی شکل مین تھی[2]، اس موضوع پر ان شاء اللہ آگے چل کر اگر موقع ہوا تو مفصل طور سے عرض کیا جائے گا،

غزنوی عہد کے لیے بیہقی اور عتبی سے قریب تر شاید کوئی تصنیف مل سکے، اگر عتبی کی تاریخ ہندوستان کے معاملہ مین ہمارے کام کی نہین، حتی کہ اس مین دہلی، اور لاہور تک کا تذکرہ نہین، اب صرف بیہقی ہمارے پاس ہے

[1] پنجاب مین اردو ص ۲۸، [2] ایضاً جلد دوم ص ۲-۱۶۲،

اور اس کے بیان کردہ واقعات کی روشنی مین ہم بہت کچھ حال معلوم کر سکتے ہین، لائق پروفیسر نے مسعود شہید کے زمانہ مین صرف ہانسی کی فتح پر اکتفا کر کے بنارس وغیرہ فتح کرنے کا سہرا سلطان ابراہیم کے سپہ سالار ابو النجم کے سر باندھا ہے، حالانکہ بیہقی نے احمد نیالتگین کے واقعات مین صاف طور سے اس کے بنارس پر قبضہ کرنے کے حالات لکھے ہین[1]، مگر اس کے ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ غزنویون کی یہ فتوحات دیرپا نہ ہوتی تھین بلکہ یہ ایک موسمی سیلاب ہوتا تھا، کیونکہ اس عہد کی تاریخ صاف بتاتی ہے کہ وہ بادشاہ کے طور پر کبھی بھی پنجاب سے آگے نہ بڑھے اور لاہور ہی ان کا دار السلطنت رہا، یہ تو غوری تھے جنھون نے دہلی کو مستقل طور سے فتح کیا، اور بعد مین دار السلطنت بنایا،

سنہ ۴۱۲ھ سے لاہور اسلامی ہند کا دار السلطنت بنتا ہے، اور اس کے بعد سے مسلمان وہان آباد ہونا شروع ہوتے ہین، ان مین شعرا بھی ہین، ان مین مسعود رازی، اور ابو الفرج رونی بھی ہین، تذکرون نے ان دونون کا حال لکھا ہے، چہار مقالہ کے حاشیہ پر ان کے مزید حالات بھی لکھے ہین، لیکن یہ کہین نہین لکھا ہے کہ ابو الفرج رونی، مسعود رازی کا بیٹا تھا، یا مسعود رازی، ابو الفرج رونی کا باپ تھا، عوفی نے اگرچہ ابو الفرج کے باپ کا نام مسعود دیا ہے، لیکن کہین نہین لکھا کہ وہ مسعود رازی ہے[2]،

اسی طرح شیخ اسمٰعیل لاہوری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سنہ ۳۹۵ھ مین لاہور تشریف لائے اور تین ہفتون کے اندر ۵۰،۷ ہندوؤن کو مسلمان بنا دیا، لاہور اس وقت ہندو حکومت کا مرکز تھا، اس کے والی سے اور محمود کے باپ ہی سے لڑائی چلی آتی تھی، ایسی حالت مین سمجھ مین نہین آتا، کہ ایک دشمن اسلام بادشاہ نے کس طرح اس بات کی اجازت دیدی کہ وہ اس مذہب کی علانیہ تبلیغ کرین، لاہور سنہ ۴۱۲ھ مین فتح ہوتا ہے، اور قیاس چاہتا ہے کہ وہ اس کے بعد گئے ہونگے، پروفیسر صاحب موصوف نے اپنی تمام کتاب مین ماخذون کے حوالہ کی طرف نہ معلوم کیون بہت کم توجہ کی ہے، حالانکہ ان کے جیسے مصنف کے لئے لازمی تھا کہ وہ ایک ایک کتاب کا حوالہ دیتے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انھون نے اس مین بہت سی ایسی کتابون سے واقعات لئے ہین جو اب تک عام طور سے متعارف نہین ہین، اور اس طرح ہم کو بہت سی کام

[1] الیٹ، جلد ۲ صفحہ ۱۲۰-۳، [2] تذکرہ عوفی جلد ۲ صفحہ ۶۳ و ۲۴۱ اور چہار مقالہ صفحہ ۱۲۲ و صفحہ ۱۳۵،

کی کتابون کے نام معلوم ہو جاتے، بہرحال ہم ان کے اس نتیجہ سے متفق ہین کہ لاہور ان ایام مین ایک بارونق اسلامی شہر اور مرجع علم و فضل بن گیا تھا، اور اس کے ساتھ یہ رائے بھی صحیح ہے کہ مسلمانون نے عہد غزنویہ مین ہندوستان کی کوئی زبان کچھ نہ کچھ ضرور سیکھی،

ایسے ہندوؤن مین جو محمود کے عہد سے غزنوی حکومت مین ممتاز رہے بیہقی نے تین کا تذکرہ کیا ہے، ان مین ایک تو سیوندرائے ہے، جسے مسعود نے حامیانِ شہزادہ محمد کے تعاقب مین بھیجا تھا دوسرے تلک ہے، اور تیسرے بیجی رائے ہے[1]، یہ لوگ ملکی علمی اور فوجی ہر سہ خدمات انجام دیتے تھے، محمود کی ہندی دانی کا حال تو معلوم نہین البتہ جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کے متعلق تمام مورخین کا یہ بیان ہے کہ جب راجہ کالنجر کا شعر محمود کے پاس آیا، تو اس نے اس کو ہندو فضلا کے سامنے پیش کیا اور ان کی تعریف پر صلہ دیا،

اسی طرح لائق پروفیسر کا یہ خیال کہ حکیم سنائی ہندوستان آئے ہین بالکل غلط ہے، اردو کے ایک لفظ "بانی" کا استعمال کوئی دلیل نہین ہو سکتی، اسی طرح عثمان مختاری کے یہان دو لفظون کا استعمال کوئی عجیب بات نہین ہے کیونکہ ہم تاریخون مین پڑھتے ہین کہ محمود نے اتنے ہندوستانی غلام اور لونڈیان غزنی بھیجے کہ ہر شخص کے پاس کئی کئی، ہندوستانی غلام تھے، ایسی حالت مین لاکھون ہندوستانیون کی موجودگی مین کسی شاعر کا ایک دو لفظون کو استعمال کر دینا کوئی بڑی حیرت انگیز مثال نہین ہے، انگلستان کا مشہور شاعر و فسانہ نگار گولڈ اسمتھ، ہندوستان کبھی نہین آیا، لیکن اس نے اپنے افسانہ وِکر آف ویکفیلڈ مین "نواب" کا لفظ استعمال کیا ہے،

مسعود سعد کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ صحیح ہے، اور اس سے کم از کم اس کا ثبوت ضرور ملجاتا ہے کہ اس عہد کے مسلمان ہندی سے نہ کہ ملتانی پنجابی سے واقف تھے، اور یہ اس نظریہ کا ایک ثبوت ہے کہ مغربی ہندوستانی کی ایک شاخ نے نصف پنجاب پر قبضہ کر رکھا تھا، اور آج بھی جو زبان بولی جا رہی ہے، اُسی کی ایک صورت ہے،

شہاب الدین غوری نے شمالی ہندوستان کو فتح اور دہلی کو دار السلطنت بنا کر یقیناً مستقل حکومت کی

[1] الیٹ جلد ۲ صفحہ ۶۰،

بنا رکھی، اور اسی وقت سے مسلمانون کے مستقل مسلسل فتوحات کا آغاز ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ کہنا کہ اس مین پنجابی عنصر غالب تھا، زیادہ صحیح نہ ہوگا، ضیاء الدین برنی اور شمس عفیف وغیرہ نے جو نام گنائے ہین ان کے دیکھنے اور ان کا اوسط نکالنے کے بعد کثرت کے متعلق مایوسی ہوتی ہے، اسی طرح یہ دعویٰ کہ پنجاب نے تنہا تین حکمران خاندان دیئے ایک شاعرانہ گفتگو ہوگی، کیونکہ اس تاریخی حقیقت سے تو کوئی شخص انکار نہین کرسکتا کہ جو لوگ مختلف صوبون کے والی بنا کر بھیجے گئے تھے اور جنھون نے واپس آکر دہلی کے تخت کو زینت بخشی وہ دہلی ہی سے گئے تھے، البتہ خضر خان صرف ایک ایسا شخص ہے جو شروع سے آخر تک ملتان مین رہا ہے، اس طرح دہلی کا اثر پنجاب پر پڑتا ہے، دوسرے دہلی کے اسی اثر کو خود مصنف نے ان الفاظ مین تسلیم کیا ہے :-

"دہلی کے مسلمان اس سے پیشتر بھی کوئی ایسی ہی زبان بول رہے تھے جو ان دیہاتی پوربیون کی زبان کے بہت قریب تھی[1]"

دکن مین اردو کے رواج سے متعلق پروفیسر صاحب کا نظریہ بالکل صحیح ہے، اور اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہین ہے،

صفحہ ۰ ے ۵ ۵ تک پر پنجاب کی ابتدائی اسلامی تاریخ پر بحث کیگئی ہے، اس عہد کے جن علماء و فضلاء کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان مین مولانا حسن بن محمد بن حسن بن حیدر الصغانی لاہوری، اور مولانا عبد اللہ تلنبی وغیرہ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے

اسی باب مین ایک بہت ضروری بحث پنجابی اور لہندا کے باہمی تعلقات کی ہے، اگرچہ پنجاب کی ایک بڑی جمعیت صرف اس سیاسی غرض سے کہ موجودہ سیاسی پنجاب کو علی حالہ باقی رکھا جائے اور دو زبانون کو تسلیم کرکے اسکے دو ٹکڑے نہ کئے جائین پنجابی اور لہندا کو ایک مانتی ہے، لیکن قریباً تمام اصحاب جنھون نے اس موضوع کا خاص طور سے مطالعہ کیا ہے، حتی کہ لسانی پیمائش کے مہتمم اعلیٰ سر گریسن بھی اس رائے سے متفق ہین کہ پنجابی مغربی ہندوستانی کی ایک شاخ اور ہریانی کی بہن ہے،

اگر ہم پنجابی کی جگہ لہندا کا اردو سے مقابلہ کرین تو یہ فرق واضح ہو جائے گا، اور اسی بنا پر مصنف موصوف اس بحث

---

[1] پنجاب مین اردو ص۹۴،

صرف نو سطرون مین ختم کرکے چپ چاپ نکل جاتے ہین، لہندا کا سندھی اور کشمیری سے جو تعلق ہے، وہ اس کی پنجابی کے سوا دوسری زبان ہونے کا مزید ثبوت ہے، انسائیکلو پیڈیا برطانیہ مین اس موضوع پر مفصل بحث موجود ہے،

اس کے بعد پنجابی مصنفین کا حال دیا گیا ہے اور پھر شعراء کا تذکرہ ہے، یہان یہ بات بھی قابل غور ہے، کہ جن مصنفین اور شعرا کا حال دیا گیا ہے، ان مین سے ایک بھی عہد مغلیہ سے پہلے کا نہین ہے، اور اس کے معنی یہ ہوئے کہ پنجابی مین اس وقت تک تصنیف و تالیف کی صلاحیت نہ تھی اور نہ اس کے اپنے حروف تہجی تھے، کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ مسلمان اس کو عربی خط مین لکھتے ہین اور سکھ اس کے صحیح تلفظ کے لیے اپنے گرو کے ایجاد کردہ حروف سے کام لیکر اسے گرمکھی کے نام سے یاد کرتے ہین، اسی کے ساتھ یہ بات بھی بہت زیادہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس عہد کی جتنی بھی پنجابی نظمین ہین وہ ہندی بحر جھولنا چھند مین ہین، اور وہ بہ ماترا پر مشتمل ہین، چنانچہ مسٹر ٹمپل جنھون نے انڈین انٹی کویری مین پنجابی گیت شائع کئے تھے لکھتے ہین،

"گرنتھ جو صاف طور سے کبیر اور ہندی بھگتون کی پیروی کرتا ہے تمام پنجابی سکھ اور ہندو شاعری کی بنیاد ہے اور مسلمانون کی دیسی زبان کی شاعری بھی اسی پر مبنی ہے، بلکہ دوسرے الفاظ مین یہ بیان کرنا چاہیئے، کہ تمام پنجابی شاعری کا یہی حال ہے"[1]

ہم اسی مضمون سے پنجابی کی تین مشہور نظمون کی مثال نقل کردیتے ہین :-

ہیر و رانجھا :- (وارث شاہ)

مٹھی مٹھی ایہ گل نہ کر و ا ر یو
پیتان سن دیان این مر گئی جینے ·
تسان ایہہ جد دکنی جا گل کیتی
کھلی تی ہی مین لڑ گئی جینے

---

[1] کلکتہ ریویو جلد ۳۹، ص۲۹۳،

پورن بھگت :-

نی پھیر کہیا غصے ہوئے پورن

تین نون وگ لگگی ہے بان بلے

جادھی استری تون، ادہی باپ میرا

تون نون تکم تھین جمیا، جان مائے

ستی دیتون :- ہاشم شاہ

مان فراق سسّی دے مارے نیند آرام نہ آوے

ہردم وانگ یعقوب پیغمبر روے روے حال ون جاوے

کیا ان نظمون کے پڑھنے کے بعد مغربی ہندوستان کے اثر سے انکار کیا جاسکتا ہے،

اس کے بعد وہ اہم ترین باب شروع ہوتا ہے جس کو اس کتاب کی جان کہنا چاہیے، اس باب مین ار

و پنجابی کے صرف و نحو اور بعض دوسری چیزون کی مماثلت اور یکسانی پر بحث کیگئی ہے، لیکن اس بحث مین پڑنے

پہلے ہم کو مندرجہ ذیل چیزون کو پیش نظر رکھ لینا چاہئے، سب پہلی چیز یہ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس پنجابی زبان کی جو

قدیم ترین تصانیف بھی موجود ہین وہ عہد مغلیہ سے پہلے کی نہین ہین، اور ان مین بھی زیادہ عہد عالمگیری سے بعد کی، لیکن

تاریخی حیثیت سے جو اثر دکھایا گیا ہے، وہ قبل از مغل عہد پر محدود ہے، حالانکہ منطقی اور اصولی طریقہ تو یہ ہونا چا

تھا کہ اس عہد کی دہلی اور لاہور کی زبانون کے نمونے پیش کیے جاتے اور پھر بتایا جاتا کہ پنجابی زبان کا یہ اثر ہے

بہت ممکن ہے کہ ایسا کرنے مین یہ بات بہت واضح ہوجاتی کہ موجودہ پنجابی نے دہلی کی زبان کو متاثر کرنے کی

بجائے خود اس سے اثر قبول کیا ہے، اور اگر کوئی شخص اس پورے باب کو اس بات کے ثبوت مین پیش کردے

کہ اردو یا ہریانی کا پنجاب پر اتنا اثر ہے تو شاید اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہ نکلے گی، اور عصبیت صوبہ کے

(حاشیہ صفحہ ۱۰۵) لہ کلکتہ ریویو جلد ۱۲۱، صفحہ ۲۶۳،

علاوہ شاید کوئی دوسری چیز ماہرین السنہ کے نظریہ کے قبول کرنے کی راہ مین رکاوٹ پیدا نہین کر رہی ہے،

پھر اگر ماہرین کی یہ رائے صحیح ہے تو اس کو کندن دکاہ برادرون سے کوئی فائدہ نہین، لیکن اس کے ہرگز یہ معنی

نہین ہین کہ دلی کی ہریانی زبان پنجابی سے متاثر نہین ہوئی، اس سے کوئی شخص بھی انکار نہین کرسکتا، بلکہ یہ تو بدیہی

بات ہے کہ دہلی کی زبان ایک طرف پنجابی دوسری طرف برج اور تیسری طرف اودھی یا بھوجپوری زبانون سے

متاثر ہوتی ہے، بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھائے، اور چونکہ شمالی و مغربی اور ایک بڑی حد تک مرہٹہ علاقہ

کی زبانین سرسوتی ہی سے نکلی ہین، اس لیے ان کا ایک بڑی حد تک متحد القواعد اور مشترک الالفاظ ہونا لابد و ضروری

ہے، اگر ہر زبان کی علحدہ علحدہ تحلیل کیجائے تو ایک کی بہت سی چیزین دوسری مین مشترک پائی جائینگی،

سر جارج، اے گریرسن نے آج سے تقریباً ۴۰ سال پہلے اسی خیال کو ان الفاظ مین پیش کیا تھا:-

"اردو اپنے قواعد اور الفاظ دونون کے لحاظ سے ایک مرکب عام مشترک زبان ہے، اس مین شمالی ہندوستان

کی تمام ملکی زبانون کے علاوہ عربی، فارسی، ترکی اور منگو زبان کے الفاظ ہین، اور اس کے قواعد نے شمالی ہند

کے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی ہے، اس لیئے یہ کہنا بالکل ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک خاص زبان سے نکلی ہے

مثلاً جہان ہم اردو کی علاماتِ اضافت "کا، کے، کی" کو برج بھاشا کے "کو، کے اور کی" سے ماخوذ

بتاسکتے ہین وہین اس کی علامت فاعلی "نے" کے متعلق اختلاف رائے ہوجائے گا کہ آیا یہ مرہٹی سے

آئی یا مضافات دہلی کی زبان سے، البتہ اتنا یقینی ہے کہ یہ لفظ بھاشا مین اس معنی مین کبھی استعمال نہین

کیا گیا، میرا خیال ہے کہ اتنا کہنا یہ بتانے کے لیے کافی ہوگا کہ اردو کبھی بھی خواہ قواعد خواہ الفاظ کسی اعتبار سے

کسی خاص قوم کی زبان نہین رہی ہے" [لہ]

اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پنجابی مین بھی "نے" کا استعمال ہے، چنانچہ ایک ہنر

کے متعلق ایک پنجابی کا شعر ہے :-

لہ کلکتہ ریویو جلد ۱۵ صفحہ ۱۵۶،

سوے پنڈان وچ بھی، کدے باجھ شمار

پانی دیہہ زراعتان، ہوئی باغ بہار

گردی گردی شہر دے، باغان وچ پچھان

نہر پھیرے صاحب نے، نال عقل دے تان

پس اگر ہم یہ حقیقت پیش نظر رکھین کہ مغربی ہندوستان کی ایک زبان نصف پنجاب مین پھیل
اور چونکہ پنجاب کہرام و دہلی کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اس لیے یقیناً یہی زبان پنجاب مین پھیلی ہوگی، ہم کو پنجا
اور موجودہ اردو کے اکثر قواعد بتائے گئے ہین، ان کے لحاظ سے اگر ہندوستان کی دوسری زبانون کو د
تو کسی نہ کسی زبان مین کوئی نہ کوئی قاعدہ جاری وساری نظر آئیگا، مثلاً تذکیر و تانیث کا پہلا ہی قاعدہ
چھیتس گڈھ مین بھی رائج ہے:۔

تذکیر	مؤنث
ڈوکرا (مرد)	ڈوکری (عورت)
ٹورا (لڑکا)	ٹوری (لڑکی)

سندھی اور لہندا مین بعض وقت صرف اعراب کے تغیر سے اس قسم کا تغیر پیدا کیا جاتا ہے، مثلاً "جو
(لڑکا) اور جوہر (لڑکی)

لائق مصنف کا تیسرا قاعدہ یعنی:۔

اعلام و اسماء اور اسماے صفات دونون زبانون مین الف پر ختم ہوتے ہین[1]

ایک عاجلانہ تعمیم معلوم ہوتا ہے، ورنہ کیا ان زبانون مین ایسے سیکڑون اعلام و اسما نہین ہین جو الف
کے علاوہ دوسرے حروف پر بھی ختم ہوتے ہین،

[1] پنجاب مین اردو،

پانچوان[1] قاعدہ بھی ہندی مین رائج تھا، چنانچہ انشاء نے ہندی کا جو افسانہ لکھا ہے اس مین یہ شعر ہے،

آتیان جاتیان جو سانسین ہین

اس کے بن دھیان سب یہ پھانسین ہین[2]

آگے چلکر اسی قصہ مین وہ لکھتے ہین:۔

"بہت مہاراجون کے کنورون کی باتین آئیان پر کسی پران کا دھیان نہ چڑھا"[3]

یہین پر یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ قدیم اردو کا جو اثر پنجابی پر پڑا تھا، اس کو پنجابی نے تو باقی رکھا
اردو مین چونکہ وہ عام وعلمی زبان ہوگئی، ضرورت کے موافق تصرف کا سلسلہ جاری رہا اور اب بھی ہے، اسلئے
مصنف کو موجودہ پنجابی کے لیے قدیم اردو کی مثالون کی ضرورت پڑی،

ماضی مطلق مین نہ صرف اردو اور پنجابی بلکہ برج کا بھی وہی حال رہا، ماضی قریب، ماضی بعید اور ماضی ناتمام
مین تمامتر توابع کا مسئلہ درپیش ہوتاہے، دونون زبانون مین اختلاف ہے، فعل حال کا بھی یہی حال ہے،
مضارع مین بھی برج، اردو اور پنجابی یکسان ہین، چنانچہ میوات کے مشہور گرو لالجی کہتے ہین،

لال جی سادھو ایسا چاہیئے دھن کی کر کھائے

ہروے ہر کی چاکری پر گھر کبھو نا جائے

دیگر

کیا مانگنے کا سامان ہے، مانگے ٹکڑا کھائے

کتے جو ہانڈت پھرے جنم اکارت جائے

اسی طرح مستقبل کا جمع کا صیغہ بھی برج مین ملتا ہے، اور اس کی مثال خود مصنف نے دی ہے،

[1] پانچوین قاعدہ کے الفاظ یہ ہین "خبر تذکیر و تانیث واحد و جمع مین اپنے مبتدا کے موافق آتی ہے،"
[2] و [3] رسالہ اردو حصہ ۲۲ صفحہ ۲۶۸ و ۲۷۲

بجن سکارسے جائین گے اور نین منگیے رسے

بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ہوئے

امر کا قاعدہ بھی پنجابی کی طرح دوسری زبانون مین موجود ہے، چنانچہ مرہٹی مین بھی مثلاً اکڑے آ(ا
ادکڑے جا (ادھر جا) توڑ دھو (منہ دھو) اسی طرح تقطیماً جو وا "ڑھایا جاتا ہے، وہ بھی برج مین موجود ہے۔

"لال جی گھر کرو تو پل کرو سنو ہماری سیکھ"

اسی طرح دکھایا جاسکتا ہے کہ جو چیزین پنجابی مین مشترک ہین وہ دوسری زبانون مین بھی موجو
لیکن اس کے ساتھ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ اردو اور پنجابی پر ایک دوسرے کا اثر یقیناً ہوا ہے، یہ چند مثالین
دی گئین کہ یہ بتا دیا جائے کہ یہ کہنا زیادہ صحیح نہین ہے کہ جو چیزین اردو اور پنجابی مین یکسان ہین وہ پنجابی
اثر کا نتیجہ ہین، اور نہ افغانیون، خلجیون اور ترکون کا جنہین سے کسی ایک کی زبان بھی کسی ہندوستانی زبا
تعلق نہین رکھتی، دہلی پر نحوی دھرنی اثر نہین پڑسکتا تھا، چنانچہ کا کی جگہ سی کے استعمال کو خود مصنف نے تس
کہ راجپوتانہ سے دکن مین پہنچا ہے، اور اسی طرح تھا کے لفظ کو خواہ مخواہ تھیوتا سے بنانے کی کوشش کیگئی ہے
ہر زبان مین بعض اپنے مشتق بنجاتے ہین، جنکے لیئے کوئی قاعدہ نہین بتایا جاسکتا اور وہ مستثنیات مین شم
ہین، اب اسی لفظ ہونا کے انگریزی مترادف TOBE کو لیجئے اس کا ماضی WAS & WEYE حال ISAYE
کس قاعدہ سے بنے ہین، اسی طرح اردو مین جانا سے ماضی "گیا" ہے، اس کے لیئے ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ بہا
کے لفظ گیس سے بنا ہے، تھیا کا لفظ اب بھی بہار کے دیہاتون مین بولا جاتا ہے،

اردو مین جن دوسرے الفاظ کو اب تابع مہمل کہا جاتا ہے وہ دراصل ایسے الفاظ ہین جن کے
اردو مین کوئی معنی نہین ہین، اگر کسی عہد مین بھی اس کے کوئی معنی ہوتے تو کوئی نہ کوئی شخص اسس کو ضرو
استعمال کرتا،

قدیم اردو پر پنجابی کے اثر سے بحث کرنے سے پہلے ہم کو دو باتین طے کرلینا چاہئین، اول تو

اسکا کیا ثبوت ہے کہ جو زبان دہلی اور اس کے اطراف مین بولی جاتی تھی اس مین پنجابیون کے آنے سے پہلے ہی سے
یہ لفظ اسی طرح استعمال مین نہین تھے اور دوسرے یہ کہ پنجابی مین یہ الفاظ ہریانی زبان سے نہین لیئے گئے" ان
دونون اہم ترین مباحث پر کتاب خاموش ہے، لائق مصنف نے اس باب مین فیروزشاہ کی دونون تاریخون سے
بہت زیادہ مدد لی ہے، مین نے بھی ایک سرسری نظر سے ان مین اردو کے جو الفاظ مل سکے ہین ان کو جمع کیا ہے،
چنانچہ یہان پر ان کو اس لیئے لکھتا ہون تاکہ معلوم ہو کہ ضیاء الدین برنی اور شمس عفیف جنکی تقریباً تمام عمر دہلی اور جوا
دہلی مین گذری کونسی زبان سے متعارف تھے اور ان کے بعد امیر خسرو کی ایک آدھ مثنوی سے کچھ الفاظ لکھونگا
شمس عفیف نے اس سند ھی زبان کے جملے کے علاوہ جو صفحہ ۳۲۱ کی جگہ صفحہ ۳۱ مین ہے، ایک شخص کا ایک جواب
بھی لکھا ہے، فیروزشاہ نے اپنے افسر ملک قبول کو سلطان سکندر کے پاس بنگال بھیجا تھا، جب اس نے دریافت
کیا کہ "چہ نام داری" تو ملک قبول نے "بزبان ہندی" جواب دیا کہ "تورا باندھ" (تیرا غلام) یہ الفاظ اس عہد کی دہلی
کی زبان کو بتاتے ہین،

ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب کے مختلف مقامات مین یہ الفاظ استعمال کئے ہین،

چبوترہ یا چوترہ، ڈیوڑی، دھول، تھانہ، لکھی، بجرہ،

"دو لکھ آدمی از سوار و پیادہ دبانگ و دھانک دکہار دکیوائی صفحہ"

چودھری، کھٹ (کھاٹ) ٹھگ، لونڈی، لت (لات) ٹیکہ، مندل (مندر) (یہان یہ بات قابل لحاظ
ہے کہ بہاری مین بھی ہندی کی "ر" اکثر "ل" سے بدلجاتی ہے، مثلاً پھل سے پھوگالی سے گاری وغیرہ) بیڑہ، دگم
موڑہ، چھپر، بگنی (بنگ بھنگ) لونڈہ (لونڈا) پٹواری، اکھل، سوندھار (اودھار) لترہ (لتیرہ) مالی، جھگڑی
بھنگی، کروڑ، النگ، منڈہ، منڈی، رانگھ، موٹھ، ٹٹو، ڈیوڑی، کنیزک کنارری، (کنواری) سپاری، بھٹ،
دھادا، مٹھ، گھٹی، پالگی، ڈیوٹ، گھاٹی، تہنت،

لے فیروزشاہی شمس عفیف، صفحہ ۱۷،

جس طرح برنی کا پھلون کے متعلق ایک جملہ درج کیا گیا ہے، اسی قسم کا ایک جملہ صاحب مرأة سکندری نے بھی لکھا ہے وہ یہ ہے،

"وکثرت اکثر اشجار میوہ دار مثل انبہ و انار و کھرنی، جامن، و کولر و نالیر و بیل و مہوہ وغیرہ کہ ...... در عرصۂ گجرات واقع است[1]"

شمس عفیف نے یہ الفاظ استعمال کئے ہین:-

چودھری، بی بی، چوڈول، پلنگ، گھڑیال، چھتر، کنگھرہ، سدا ابھیل رجنھوری، پونڈرا، کہار، ڈولا، ہتون، ھتواڑہ، پاتر (پتر) جگناتھ، جوالا مکھی، کٹرہ، یک سیر کھچڑی، چوکی راج (مزدور) لکھوک اور کوڑی، دانگ آدھ، بیگہ، سمدھی، گھور (گھر) بھر گر (بھرکہ) چو کھنڈی (چار پائش) پگ، ٹٹ،

امیر خسرو نے اپنی مثنوی دولرانی وخضر خانی مین بھی پھولون اور دوسری چیزون کے نام استعمال کئے اور اس کے ساتھ ہی انھون نے دیول رانی کو جس طرح عربی دوَل کے سانچے مین ڈھالا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اکثر بیچ کا حرف علت اگر دو ہون تو ایک اور ایک ہو تو وہی دہلی کی زبان مین گرا کر اس کو معرب و مفرس بنا لیتے تھے، بلکہ بعض اوقات تو آخر کی "ہ" جو عہد عالمگیر سے الف ہو گئی ہے، یا نہی گرا دیجاتی تھی مثلاً مرہٹ سے مرہٹ، پانی سے پان، اگنی گر سے اگن گر، کلال باری سے کلال بار، نذر باری سے نذر بار

امیر خسرو کے مذکورۂ بالا اشعار یہ ہین،

دوَل رانی کہ ہست اندر زمانہ ... زطاؤسان ہندستان یگانہ

برسم ہندوی از نام دبالش ... دراول بود دیول دی خطابش

بنام آن پری چون دیورہ داشت ... فسون بندہ از دیوش نگہداشت

چنان رسم بدل کردم مراعات ... کہ آن ہندی علم برزد زہندات

یکے علت درو افگندم از کار ... کہ دیول را دوَل کردم بہنجار[1]

اسی مثنوی مین کنولا دیوی سے کنولادی اور پھر کنولادی بنانا بھی قابل غور ہے، خسرو کی اس مثنوی مین یہ الفاظ بھی ملتے ہین

بیل = بیلہ ... سکہاسن = سنگھاسن، جاے = جوہی، کیورہ = کیوڑہ،

چنپہ = چنپا، ... مادل لری، سیوتی، دونہ، کرنہ،

یہان پر ہم کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگرچہ اودھ، گجرات، دکن وغیرہ کی زبانین اب تک ہندوی، ہندی، ریختہ وغیرہ کے نام سے یاد کی گئی ہین، لیکن لاہوری، یا پنجابی کو کبھی ان نامون سے یاد نہین کیا گیا ہے، امیر خسرو وغیرہ کو جانے دیجئے، اکبر کے زمانہ مین بھی دونون مین اختلاف تھا، چنانچہ ابو الفضل ایک لفظ کے معنی کی تشریح مین لکھتا ہے، "بزبان پنجاب کسیلی نامند و در دیار دہلی پنجر خوانند[2]" اور جہان پر ہندوستان کی زبانین گنائی ہین لکھتا ہے:-

"در فراخناے ہندوستان بفراوان زبان سخن سرایندہ، آن اختلاف کہ از فہمیدگی یکدگر باز ندارد از شمارہ بیرون، وانچہ نیارند در یافت دہلی، بنگالہ، ملتان، مارواڑ، گجرات، تلنگانہ، مرہٹ، کرناٹک، سند، افغان، شال، بلوچستان، کشمیر[3]"

کیا اس سے یہ بھی نتیجہ نہین نکلتا کہ پنجابی ایسی زبان تھی جسے دہلی والے آسانی سے سمجھ لیتے تھے، اور پنجابی کی یہ حالت اس اثر کا نتیجہ تھا جو مغربی ہندوستان کی ایک بولی کے پنجاب تک وسعت پذیر ہونے کی وجہ سے عالم وجود مین آیا تھا،

اس کے بعد مصنف نے برج بھاشا اور اس کے خصائص پر روشنی ڈالی ہے، اور موجودہ اردو اور برج بھاشا مین جو نحوی و صرفی فرق ہے وہ بتایا ہے، پھر وہ باب شروع ہوتا ہے، جو آجکل کی فرقہ وارانہ ذہنیت کیلئے ہندوستانی ہندو بھائیون کے ایک سوال کا مسکت جواب ہو سکتا ہے، اور اس مین نہایت تحقیق سے بتایا ہے کہ مسلمانون نے ہندوستان کی ملکی زبانون کے ساتھ کس قدر شغف رکھا ہے، اور کس طرح یہ انھی کی برکت تھی کہ سنسکرت کی بہت سی کتابین

[1] مرأة سکندری ص۲۰،

[1] دولرانی خضر خان ص۴۶، [2] آئین اکبری نولکشوری جلد اص ۱۵، [3] ایضاً جلد سوم ص۲۵،

بنگلہ اور دوسری زبانون مین آئین، اس فہرست مین ہم چند نامون کا اضافہ کرنا چاہتے ہین، اکرم فیض مارواڑ کا رہنے والا تھا، اس نے ایک برتلا کا دیا لکھی اور ورتی رتناگر کا سنہ ۱۲۳ وسنہ ۱۸ء کے بیچ مین ہندی مین ترجمہ کیا ہے، ... نے نورک اور چند کے افسانہ کو ہندی نظم مین لکھا ہے، چندربن، جوناخان کے لیے لکھی گئی ہے، بنگالی شاعر علاول کے متعلق اتنا اضافہ کرنا چاہتا ہون کہ اس نے اپنے مربی وزیر ارکان کی فرمایش سے پدماوت کا بنگلہ ترجمہ کیا تھا اور دولت قاضی کی کتاب "گور چندرانی" "ننہ کہ" لور چندرانی کی تکمیل کی تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبیر کا لڑکا کمال بھی بہت بڑا کا شاعر تھا، چنانچہ بہت سے شعر اس کی طرف منسوب ہین، عبدالرحیم خانخانان کی ہندی کی مندرجۂ ذیل تصانیف ہم تک پہنچی ہین،

(۱) رحیم ست سائے (۲) رامائن (۳) رس پنسا دھیائی، (۴) سرنگار سورٹھ (۵) مدناشٹک،

نرہری اور بانا کے علاوہ جگیش، اور کوی گنگا بھی عہد اکبری کے شعرا مین قابل ذکر ہین، شاہجہان کی سرکاری تاریخون مین کب اندر کا نام بھی درباری شاعر کے نام سے آتا ہے، اورنگ زیب کے نام سے بھی متعدد ہندی کی کہاوتین مشہور ہین، لیکن اس کو کوئی درجہ نہین دیا جاسکتا، اسکی اولاد کو اس سے خاص دلچسپی تھی، چنانچہ تحفۃ الہند اس کی زندہ یادگار ہے،

اگر اس خان مسلم کو ہندو بنانے کی کوشش کیگئی ہو تو ہم ایک برہمن کو عالم کے نام سے مسلمان ہوتے دیکھتے ہین، بلگرام کا خطہ اس حیثیت سے ممتاز ہے، اس مین سب سے پہلے سید مبارک ہین، ان کی دو کتابین (۱) الک سنگھ، (۲) تلک سنگھ ہم تک پہنچی ہین، دوسرے مولانا عبدالجلیل ہین، اور اس کے بعد ایک عام جماعت، قادر بخش اور جمال کوئی ہردوئی ضلع کے دو مشہور ہندی شاعر تھے، طاہر کا نام بھی بے محل نہ ہوگا، جس نے گوکا سبھا کے نام سے ایک نظم لکھی ہے، آخر مین ہم ذوالفقار، یوسف خان، اور محمد کا تذکرہ کرنا چاہتے ہین، کہا جاتا ہے کہ ان تینون نے بہاری ستسان کی کنڈلیاس بحر مین شرح لکھی تھی،

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہان پر دو باتین اور عرض کر دینا چاہتا ہون، ان مین سے ایک دہلی

اور متھرا کا اثر پنجاب تک ہے، اگر ہم تاریخ کا بغور مطالعہ کرین گے تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان مین جتنے قدیم مذہب ہین ان مین سے کوئی بھی پنجاب مین پیدا نہین ہوا بلکہ وہ سب کے سب بہار سے لیکر متھرا تک کے علاقہ مین عالم وجود مین آئے ہین، پنجاب کے ہندو انھی مذاہب کے پیرو تھے اور اگر جدید سکھ مذہب کو نکال دیا جائے تو اب بھی اسکے ماننے والے انھی مذاہب کے پیرو ہین، گوتم بدھ کی تعلیم پورب ہی سے چلکر پچھم تک پہنچتی ہے، رام و کرشن کی فدائی ساحل "گنگ و جمن" ہی سے اٹھ کر پنجابی علاقہ تک پہنچتی ہین، جین مذہب کا درخت بھی یہین اُگ کر پنجاب تک اپنی گھنیری شاخون کو پھیلاتا ہے، اور سب سے آخر مین جب شنکر اچاریہ بودھ مت کو مٹانے کے لیے چلتا ہے تو وہ پنجاب سے نہین اٹھتا بلکہ اس کا سیلاب بھی پورب سے پچھم کی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے، یہ ایسی مسلسل و منظم کوششین ہین جنکی موجودگی مین اس حقیقت سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ یہی انسانی سیلاب تھے جنھون نے پنجاب کی قدیم زبان کو بالکل بدل دیا اور وہان ہریانی ہی پنجابی لہجہ مین رائج ہوگئی، پورب کا عموماً اور اطراف دہلی کا عموماً یہی لسانی اثر ہے، جو پنجابی کو دہلی کی زبان سے اس قدر مماثل بناتا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ ہندوون کی جتنی تصانیف تھین ان مین سے ایک بھی پنجابی مین نہ تھین،

دوسرا مسئلہ حرف علت کے گرانے کا ہے، یہان پر یہ بات قابل غور ہے کہ برج اور سنسکرت وغیرہ مین بولتے وقت عموماً آخری حرف کو ساکن کر دیتے ہین، لیکن لکھتے وقت اس کو باقی رکھتے ہین، اور اشعار مین تو ان کو کسی صورت سے بھی ساکن نہین کر سکتے اور آج بھی محتاط لوگ اسی طرح ان کا استعمال کرتے ہین، چنانچہ مدراس کے علاقہ مین یہ صورت تلفظ بہت نمایان ہے، اور وہان رام کو رام یا راما سوراج کو سوراجیہ، لکشمن کو، لکشمنا بولتے ہین، مسلمانون نے سنے ہوئے الفاظ کو استعمال کرنا شروع کیا، اور اسی طرح آخر سے عموماً اس قسم کے اعراب یا حرف علت کو گرا دیا، رہا سہ حرفی اجوف کے بعض الفاظ کی تعلیل سو وہ دہلی کی زبان مین بھی اسی طرح رائج تھی جس طرح پنجاب مین، اور یہ بھی دہلی کی زبان ہی کا اثر تھا،

(باقی)

خرافاتِ کہن

شیرین اور فرہاد

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

فارسی اور اردو شاعری کی تلمیحات مین شیرین اور فرہاد کا ذکر اکثر آتا ہے، لیکن عوام تو عوام خود ہمارے شعرا بھی ان دونون کی تاریخی شخصیت سے ناواقف ہین، عام طور پر یہ مشہور ہے کہ شیرین ایک حسین عورت تھی جس کے دو عاشق تھے، اور دونون کی حالت مین زمین و آسمان کا فرق تھا، ایک تو ایران کا بادشاہ جو خسرو یا کسریٰ کے پر عظمت لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اسکی محبت کا دم بھرتا تھا، دوسرا فرہاد جو ایک معمولی بڑھئی یا معمار تھا اوسکے عشق مین سرشار تھا، عشق و محبت کی تڑپ دونون کے دلون مین تھی لیکن دولت کی کشش جذب محبت پر غالب آئی، اور شیرین فرہاد کو نظرانداز کر کے خسرو کی آغوش شوق مین پہنچ گئی، تاہم اس نے اپنے دوسرے عاشق فرہاد کو بھی بالکل صاف جواب نہین دیا، بلکہ فلسفیانہ عقل سے کام لے کر اپنے وصل کو معلق بالمحال کر دیا، اور یہ شرط لگا دی کہ اگر وہ پہاڑ مین سے ایک نہر جو شاعرانہ زبان مین جوئے شیر کے نام سے مشہور ہے، نکال دے تو وہ اس کے عشق کی قدردان ہو سکتی ہے، غریب نے چند دنون سعی لاحاصل تو بے شبہہ کی، لیکن آخر کار ناکام رہا، اور اسی ناکامی کی حالت مین اپنے پھاوڑے سے سر پھوڑ کر جان دیدی، اور اسی جانبازی نے دنیا ے عشق مین آج تک اس کے نام کو اس کے حریف کسریٰ کے مقابل مین مساویانہ حیثیت کے ساتھ زندہ رکھا ہے بلکہ اس کے کامیاب رقیب خسرو سے بھی زیادہ لوگ اس کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہین، بلکہ شیرین کو کسریٰ کی ترجیح پر یہ طعنہ دیتے ہین کہ،

شوخ بازاری تھی شیرین بھی مگر — ورنہ فرقِ خسرو و فرہاد کیا،

لیکن تاریخی روایتین ان لطافت آمیز شاعرانہ تلمیحات کی بالکل پروا نہین کرتین، بلکہ وہ زیادہ تر دلچسپ رنگین اور مبالغہ آمیز باتون کا انکار کرتی ہین، اور اگر انکار نہین کر سکتین تو کم از کم ان کا آب و رنگ اس قدر ہلکا کر دیتی ہین، کہ ان مین کوئی دلاویزی باقی نہین رہجاتی، یہی وجہ ہے کہ جب تاریخ اور خرافات مین تعارض واقع ہوتا ہے، تو خشک تاریخی روایتین شکست کھا جاتی ہین، کیونکہ عوام کا دماغ ایک رنگین چیز کے مقابل مین ایک بے آب و رنگ چیز کو قبول نہین کرتا، شیرین، فرہاد، اور جوئے شیر کے متعلق صحیح تاریخی حالات کا بھی یہی حال ہے، لیکن باینہمہ وہ حالات اپنی صحت اور واقعیت کے ساتھ موجود ہین، اور گو اس قدر دلچسپ نہین ہین جتنا ہمارے شعرائنے شیرین و فرہاد کے عشق و محبت کے افسانے کو دلچسپ بنا دیا ہے، تاہم ریاضی و ہندسہ کے مسائل کی طرح خشک بھی نہین ہین،

اس افسانہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ خسرو پرویز حسین و جمیل عورتون کا بہت بڑا قدردان تھا اور شیرین نے جو ایک ارمنی شہزادی تھی حسن و جمال سے اس قدر غیر معمولی حصہ پایا تھا، کہ ایرانیون کے بیان کے موافق، خسرو پرویز کے پاس تین چیزین ایسی تھین جو اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی بادشاہ کو نصیب نہین ہوئین، ایک تو اس کی معشوقہ شیرین، دوسرے اس کا مغنی باربد، تیسرے اس کا گھوڑا شبدیز، اور یہ تینون چیزین باہم ایک دوسرے کی مدد و معاون تھین، باربد تو لازمی طور پر اس کی بزم عیش و طرب کا ایک اہم جزو تھا، اور شیرین کے رخسار رنگین اس بزم طرب کا گلدستہ اس طرح بنے کہ جب پرویز کے سامنے اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کیا گیا تو اس نے ایک ہوشیار، اور متفنی شخص کو اس خدمت پر متعین کیا کہ وہ شیرین کو اڑا لائے، چنانچہ بلطائف الحیل یہ پری اڑائی، اور اس کے گھوڑے شبدیز کی پشت پر بٹھا کر شاہی محل مین پہنچائی گئی، لیکن جب وہ محل مین پہنچی، تو اس کے حسن و جمال کو دیکھکر خسرو کی دوسری بیبیون اور داشتون کو سخت رشک ہوا، اور انھون نے اس کے قیام کے لیے ایک شور اور بنجر اور آب و ہوا کے

لگانا ہے نہایت غیر صحت بخش مقام تجویز کیا، اور اس سے کہا کہ بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ تمھارے لیے اسی مقام پر ایک محل تعمیر کر دیا جائے، چنانچہ وہ محل تعمیر کیا گیا، اور اسی محل کی تعمیر کے بعد فرہاد کی شخصیت نمایان ہوئی کیونکہ شیرین کو تازہ دودھ بہت زیادہ پسند تھا، لیکن یہ محل جس مقام پر تعمیر کیا گیا تھا، اس سے مویشیون کی چراگاہ بہت زیادہ دور تھی، اس لیے دودھ محل تک آتے آتے باسی ہو جاتا تھا، یا کم از کم تازہ نہین رہتا تھا، اس لیے یہ تجویز قرار پائی کہ چراگاہ سے محل تک ایک پتھر کی مصنوعی نہر تیار کرائی جائے، اور اس غرض سے ایک معمار کی تلاش ہوئی اور فرہاد کا انتخاب کیا گیا، فرہاد بحیثیت معمار کے حاضر ہوا، تو شیرین نے اس کو چراگاہ سے محل تک دو میل کی ایک نہر نکالنے کا حکم دیا تاکہ اس نہر کے ذریعہ سے اس تک تازہ دودھ سرعت کے ساتھ پہنچ سکے اور فرہاد نے یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ پہلے دو میل کی ایک دیوار تیار کی، پھر اسی دیوار مین ایک پتھر کی مصنوعی نہر بنائی، جس کے اوپر پتھر کی بڑی بڑی چٹانین بچھائین اور چراگاہ کے پاس ایک حوض اور اسی کے بالمقابل محل مین ایک دوسرا حوض تیار کیا تاکہ چراگاہ مین جو دودھ دوہا جائے وہ اس حوض مین جمع ہو کر نہر کے ذریعہ سے اس حوض مین پہنچ جائے جو محل مین تیار کیا گیا تھا[1]،

اس افسانے کی تاریخی حقیقت صرف اسی قدر ہے اور اس محل اور اس حوض کو بعض سیاحون نے دیکھا ہے، چنانچہ زکریا بن محمد قزوینی اپنے جغرافیہ آثار البلاد مین لکھتا ہے،

وھذا کلہ باق الی زماننا رأیتہ عند	یہ تمام چیزین ہمارے زمانے تک باقی ہین، جب مین وہان گیا
اجتیازی بہ لاشک فی شی منہ	تھا تو ان کو دیکھا تھا، ان مین سے کسی چیز مین شک و شبہ نہین

لیکن اس تمام قصے مین فرہاد کی حیثیت صرف ایک معمار کی ہے، عاشق کی نہین، اور شیرین نے اس کو کسی محال کام پر نہین لگایا تھا بلکہ جو خدمت اس کے متعلق کی تھی اس نے نہایت کامیابی کے ساتھ اس کو انجام دیا، اس محل کی تعمیر کے متعلق جو دوسری روایت اسی کتاب مین ہے، اس نے اس واقعہ کی ندرت اور اعجوبگی

[1] آثار البلاد قزوینی ذکر قصر شیرین،

اور بھی کم کر دیا ہے، اس مین جوئے شیر اور فرہاد کا سرے سے تذکرہ ہی نہین ہے، بلکہ اس روایت کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ خسرو پرویز مقام قرمسین مین مقیم تھا جہان اس نے ایک عظیم الشان باغ تیار کرایا جسمین جانورون اور پرندون کا ایک عجائب خانہ بھی قائم کیا، یہ باغ ہزارون آدمیون کی مدد سے سات سال مین تیار ہوا، اور خسرو نے اس کے حسن و خوبی کو دیکھکر نہایت پسندیدگی کا اظہار کیا اور کاریگرون کو بیش بہا صلے دیے، حسن اتفاق سے اس نے ایک دن شیرین سے کہا کہ تم مجھ سے اپنی کسی خواہش کا اظہار کرو، اس نے کہا کہ اسی باغ مین میرے لیے ایک ایسا محل تعمیر کروا دیا جائے جو آپ کی سلطنت مین عدیم النظیر ہو، اور اس مین پتھر کی ایک نہر بنوا دی جائے جو شراب سے لبریز رہے، چنانچہ اس نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی،

اس کتاب مین ایک روایت بے شبہ ایسی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرہاد شیرین پر عاشق تھا، اور اس جرم پر خسرو پرویز نے اس کو کوہ بیستون کے توڑنے کا حکم دیا تھا جس کا مقصد یہ تھا، کہ اس کی تمام عمر اسی فعل عبث مین صرف ہو کر برباد جائے، چنانچہ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

تاریخ عجم کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ خسرو پرویز کی معشوقہ شیرین پر جو حسن و جمال مین نہایت شہرت رکھتی تھی، ایک سنگ تراش جسکا نام فرہاد تھا فریفتہ تھا، اور اس کی وارفتگی حد اعتدال سے متجاوز تھی، چنانچہ لوگون مین اس کے عشق و محبت کا شہرہ ہوا تو پرویز سے اس کا ذکر کیا گیا، اس نے اپنے ہمنشینون سے کہا کہ اس شخص کے بارے مین تمھاری کیا رائے ہے؟ اگر مین اسی حالت مین اس کو چھوڑ دون تو بڑی رسوائی ہوگی، اور اگر اس کو قتل یا قید کر دون تو ایک بے گناہ کو سزا دونگا، اس پر بعض حاضرین نے کہا کہ اس کو ایک ایسے پہاڑ کے کام مین لگا دیجئے کہ اس مین اس کی تمام عمر برباد ہو جائے، خسرو نے اس کی رائے کو پسند کیا اور اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا، وہ آیا اور اس کا حلیہ یہ تھا کہ نہایت فربہ اور دراز قد تھا اور مست اونٹ کی طرح جوش و خروش سے لبریز تھا، خسرو نے اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور کہا کہ ہمارے راستے مین ایک ایسا پہاڑ

عائل ہو گئی ہے، جو ہماری آمد و رفت مین رکاوٹ پیدا کرتا ہے، اس لیے ہماری خواہش یہ ہے کہ تم اس مین سے ایک راستہ نکال دو جو ہماری آمد و رفت کے لیے موزون ہو، اور ہم کو تمھارے تجربہ اور ذہانت کا حال معلوم ہو چکا ہے، اور اس نے کوہ بیستون کی طرف اشارہ کیا کیونکہ وہ نہایت بلند پہاڑ تھا اور اس کا پتھر نہایت سخت تھا، فرہاد نے کہا کہ مین بادشاہ کے راستے سے اس پہاڑ کو ہٹا دونگا بشرطیکہ وہ میرے لیے شیرین کے عنایت کرنے کا وعدہ کرے، بادشاہ کو اس سے تکلیف تو ضرور ہوئی، کیونکہ شیرین اس کی معشوقہ تھی، لیکن اس نے اپنے دل مین کہا کہ بیستون کو آخر کون توڑ سکتا ہے؟ بہرحال فرہاد خسرو کے پاس سے گیا اور پہاڑ کے توڑنے کا کام شروع کیا اور اس مین سے ایک ایسا راستہ نکالا جو عرض مین بیس سوارون کے آمد و رفت کی گنجائش رکھتا تھا اور اس کی بلندی جھنڈیون سے زیادہ اونچی تھی، اس کا کام یہ تھا کہ دن بھر پتھر توڑتا تھا اور رات بھر ان کو اٹھا اٹھا کے لے جاتا تھا، اور پہاڑ کی چوٹی پر بڑے بڑے ٹکڑون کو چنتا تھا، سنگ تراشی کر کے ان کے درمیانی خلو کو بھرتا تھا اور ان کو راستے کے برابر کرتا تھا،

- - - - - - - - - - - -

خسرو سے ایک دن اسکی اس مستعدی کا ذکر کیا گیا تو بعض حاضرین نے کہا کہ مین نے اس کو بچشم خود دیکھا کہ پھاوڑے کی ایک ضرب مین پہاڑ کے برابر پتھر نکالتا ہے، اور اگر وہ اسی طریقہ پر کام کرتا گیا تو راستے کا نکال لینا کوئی تعجب انگیز نہ ہوگا، خسرو اس سے خوف زدہ اور مضطرب ہوا، لیکن بعض اشخاص نے کہا کہ اس سے مین آپکو نجات دلا دیتا ہون، چنانچہ اس نے بعض اشخاص کو فرہاد کے پاس بھیجا اور اس نے اس کو شیرین کے مرنے کی خبر دی، فرہاد نے یہ خبر سنی تو اپنے پھاوڑے کو پتھر پر مارا اور اسکو اس مین پیوست کر دیا، اس کے بعد اپنے سر کو پھاوڑے پر دے دے مارتا تھا، یہان تک کہ مر گیا، یہ تمام آثار اب تک باقی ہین، اور ان مین کسی قسم کا شک

شبہ نہین ہے[1]،

لیکن اس روایت مین جوئے شیر کا کوئی تذکرہ نہین ہے، جہان تک قیاس و قرائن کام دیتے ہین، ان واقعات سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہین ہے، اگر ایک خود مختار بادشاہ نے اپنی معشوقہ کے لیے تازہ دودھ فراہم کرنے کے لیے ایک عظیم الشان نہر بنوائی تو گو یہ فعل کیسا ہی عبث دکھل ہو، لیکن شخصی سلطنتون مین اس قسم کے عبث افعال اکثر ہوتے رہتے ہین، بالخصوص ایسی حالت مین جب صاحب تخت و تاج کسی عورت پر فریفتہ ہوتا ہے، تو اس کے حسن و جمال پر ملکی خزانے کے ساتھ اپنی عقل و دماغ کے سرمایہ کو بھی قربان کر دیتا ہے، اسلیے اگر خسرو نے فرہاد کی نگرانی مین اس قسم کی نہر تیار کر دائی. تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہین، البتہ ہم اس کو تسلیم نہین کر سکتے کہ اس کام کو تنہا فرہاد نے انجام دیا تھا، بلکہ یہ کام اسی طرح انجام پایا ہوگا جس طرح اس زمانے مین اس قسم کے کے کام بہت سے معمارون اور مزدورون کے ساتھ کسی انجنیر کی نگرانی مین انجام پاتے ہین، لیکن اس جوئے شیر کو فرہاد کے عشق و محبت سے کوئی تعلق نہ تھا، اور اس نے اس اہم کام کو پوری ذمہ داری اور پورے ہوش و حواس کیساتھ انجام دیا تھا، ممکن ہے کہ وہ اس کے بعد شیرین کے عشق مین دیوانہ ہو گیا ہو اور خسرو نے استہزاء اور مذاق کے طریقہ پر اسکو کوہ بیستون کے توڑنے کا حکم دیا ہو، لیکن ہم اس کو نہین تسلیم کر سکتے کہ اس نے تنہا اس پہاڑ کو اس حد تک توڑ دیا تھا کہ اس مین سے بیس سوار گذر سکتے تھے، اور وہ پھاوڑے کی ایک ضرب مین پہاڑ کے برابر پتھر نکال لیتا تھا یہ بات بھی قیاس مین نہین آسکتی کہ ایک شخص شب و روز ایسے سخت کام مین مشغول رہ کر زندہ رہ سکتا ہے، بلکہ جو واقعہ قرین قیاس ہو وہ صرف یہ ہو کہ ملکی مصالح سے کوہ بیستون کے توڑنے کا کام بہت سے معمارون اور مزدورون کی شرکت سے جاری ہوا ہوگا، اور خسرو نے فرہاد کو بحالت وارفتگی و دیوانگی اسی کام مین مشغول کر دیا ہوگا، لیکن چونکہ وہ اس سے پہلے جوئے شیر نکال چکا تھا اس لیے یارون نے اس کے اس کام کو بھی اسی سلسلۂ عشق و محبت مین شامل کر دیا،

---

[1] آثار البلاد و قزوینی ذکر بیستون،

لیبان کے نظریۂ "مزاجِ عقلی" پر ایک نظر

از

محمد عبدالرحمن صاحب رئیس (متعلم بی اے جامعۂ عثمانیہ)

لیبان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہین ہے، یورپ کے مخصوص علمی حلقون مین اس کو بیحد قدر کی نگاہون سے دیکھا جاتا ہے، اردو دنیا کو روشناس کرانے کے لیے تمدنِ ہند، تمدنِ عرب، روح الاجتماع اور انقلاب الامم کا صرف نام لے لینا کافی ہے "انقلاب الامم" مین لیبان نے قومون کے عروج و زوال اور ان کی حیات کے مختلف پہلوؤن پر ایک جدید نفسیاتی کلیہ پیش کیا ہے،

اس کا اعتقاد یہ ہے کہ ہر قوم چند عقلی اوصاف اور جداگانہ نظامِ اخلاق کی حامل ہوتی ہے، جس کو "مزاجِ عقلی" کے نام سے تعبیر کرتا ہے، جس مین خواص[1] جسمانی کی طرح استحکام و پائداری پائی جاتی ہے اس کے تمام احساسات، خیالات، معتقدات، نظامِ حکومت اور فنون لطیفہ اسی مزاج سے پیدا ہوتے ہین[2] اور یہ کہ جب تک یہ مزاج نہ بدل جائے تمدنی شاخون مین کسی قسم کا تغیر نہین پیدا کیا جاسکتا، لیکن "مزاجِ عقلی" کو صرف زمانہ ہی بدل سکتا ہے"[3]

اس روح یا مزاج کے مؤثرات لیبان کے نزدیک حسب ذیل ہین:-

(۱) "آباء واجداد، یعنی گذشتہ سلسلۂ خاندان کا اثر"[4]

(۲) "مان باپ کا اثر"

(۳) "ملک جغرافیائی حدود، آب وہوا اور گرد وپیش کی چیزون کا اثر"

[1] انقلاب الامم صفحہ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

نظامِ اخلاق کے ہر سہ اسباب مین لیبان کے خیال کے مطابق اول الذکر مؤثر نہایت اہم اور تیسر انہایت کم درجہ کا مؤثر ہے، اور اس کا اثر کسی قوم پر متعدد نسلون کے ایک ہی ماحول مین زندگی بسر کرنے کے مدتون بعد ہوتا ہے، اس لیے درحقیقت سلسلۂ خاندان ہی کے ذریعہ سے انسان کے رگ وپے مین سرایت کرتا ہے ورنہ بذاتِ خود کوئی اہم چیز نہین،

لیبان کے اس نظریہ کو دوسرے الفاظ مین یون بیان کیا جاسکتا ہے کہ مذہب، سیاست، فنونِ لطیفہ وغیرہ بجائے خود کسی قوم کی زندگی اور حیات پر کوئی مستقل اثر نہین ڈالتے بلکہ اس کے برخلاف قومون کا یہ اساسی خلق" یعنی مزاج عقلی ہی اصلی مبدار ہے،

اس کی تمام تمدنی شاخون کا مزاجِ عقلی اور سیاست وغیرہ کے باہمی تعلق، اعمال وردِ اعمال پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مؤثرات" پر ایک نظر ڈالی جائے، جو ساری بحث کی بنیاد ہین،

اول الذکر ہر دو مؤثرات روحانی مسلک کی صرف قیاسی چیزین ہین، جنکی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ایک ہی خاندان کے کم وبیش تمام ارکین یا ایک قوم کے بیشتر افراد کی سیرت واخلاق مین اشتراک پایا جاتا ہے، لہذا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیرت واخلاق موروثی حیثیت رکھتے ہین، اور یہی توارث وتواتر ان کے اساسیت وغیر تغیر پذیری پر دلالت کرتا ہے، اس لیے خاندان اور مان باپ ہی قومون کے نظام الاخلاق کے اصلی محرک ہین، پہلے تو یہ صرف ایک قیاس ہے اور دوسرے قیاس لازمی نہین کیونکہ اس سیرت واخلاق کے اشتراک سے توریث لازم نہین آتی، ممکن ہے کہ اور دیگر نامعلوم مؤثرات بھی موجود ہون، اس اشتراکِ عمل کی ٹھیک توجیہ نفسیاتی اصول کی تطبیق سے یون کیجاسکتی ہے کہ ایک بچے کی طرح قومین بھی اپنی سادہ فطرت مین ماحول کے تہیجات وتحریکات کو مرتسم اور ان کو افعال کی صورت مین خارج کردیتی ہین، جو اس کے افراد کے نظام عضوی مین حرکی[1] راستے بنالیتے ہین، ان کی سادہ قوتون کی ترقی کے ساتھ تہیجات وتحریکات کا یہ تموّج جس قدر شدت سے

[1] معارف:- منسوب بہ حرکت،

ٹکراتا ہے اُسی شدت سے یہ راستے بھی مستقل ہوتے جاتے ہیں، اور ابتدائی اعمال جو پہلے اتفاقی اور غیر معین تھے اب مستقل معین عادتوں کی صورت میں منتقل ہوتے جاتے ہیں جن سے نظام الاخلاق عبارت ہے،

چونکہ ہمارا ماحول سیرت و اخلاق کی تخم ریزی کے زمانہ میں ماں باپ اور عزیز و اقارب سے الگ کوئی چیز نہیں ہوتا، اس لیے صرف ماں باپ کے کیرکٹر اور اخلاق کی پرچھائیوں کو "تہیجات" افراد کے خام جوہر میں منقوش کرتے جاتے ہیں، انھیں معنوں میں ایک بچے کی طرح "ہر قوم اپنے اسلاف کا مظہر اور ہر انسان اپنی زندگی میں صرف اپنی قوم کا بیٹا ہوتا ہے"، اور وہ بھی ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر نہ کہ توریثاً،

اس بحث کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ خاندان تو کوئی چیز ہی نہیں ہے، رہے ماں باپ اور انکی توریث سو یہ بھی براہ راست کوئی مؤثر چیزیں نہیں ہیں اور اگر مؤثر ہیں تو ماحول کے ذریعہ سے، غرض یہ کہ اصل مؤثر ماحول ہے، چونکہ قوموں کی تاریخ میں ماحول بہت کم بدلتا رہتا ہے، اس لیے یہ غلط نتیجہ نکال لیا گیا کہ نظام الاخلاق اسلاف یا قوم کا ورثہ ہیں، اور ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی کسی قوم کے ماحول میں ذرا سا بھی تغیر نمودار ہوا، قومیں بھی اس کے گرداب میں متحرک نظر آنے لگیں، اور یہ حرکت بھی ماحول کی تغیر پذیری کی رفتار کی مناسبت سے کبھی عارض رہی ہے اور کبھی مستقل، مختصر یہ کہ قوموں کے کیرکٹر یا لیبان کے الفاظ میں "مزاج عقلی" کا سب سے بڑا مؤثر ماحول اور صرف ماحول ہے، اگر اس نظریہ کو قبول کر لیا جائے تو مزاج عقلی کے دوام اور اساس کا پہاڑ خود بخود اپنی بنیاد سے ہل جاتا ہے،

سوال یہ ہے کہ آخر یہ ماحول کیا چیز ہے، یہی تمدنی اصول مذہب، سیاست اور ملک کے جغرافیائی طبعی حالات ہی تو ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی نظام سیاست میں کوئی تبدیلی ہوئی یا کسی جدید مذہب نے حملہ کیا تو اکثر قوموں کا نظام الاخلاق انقلاب کا محل بنا ہوا رہا، چونکہ ان تاریخی واقعات سے انکار ناممکن ہے جن سے لیبانی نظریہ کے جواب میں استدلال کیا جا سکتا ہے، اس لیے لیبان نے "مزاج عقلی" سے الگ چند ثانوی اخلاق بھی قرار دے لیے ہیں، اور قابل مصنف کے خیال میں جو کچھ تغیر ہوتا ہے وہ انھیں اخلاق ثانویہ میں ہوتا ہے، اور قومی اساسی خلق یا مزاج عقلی میں کسی قسم کا فرق پیدا نہیں ہوتا، لیکن لیبان نے کوئی ایسا معیار پیش نہیں کیا ہے جس سے ہم مزاج عقلی اور ثانوی اخلاق میں تمیز کر سکیں، کسی ایسے معیار کی عدم موجودگی میں یہ تقسیم ناقابل قبول ہے، اگر بالفرض اس تقسیم کو قبول بھی کر لیا جائے تو پھر بھی بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قوموں کا مفروضہ "مزاج عقلی" انقلابات کے ساتھ بہتا ہوا نظر آتا ہے، اور ان کی اساسی روح میں تغیر پذیری کی سی ایک حالت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے جواب میں لیبان انقلاب فرانس کی نظیر پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اگر روبسپیر[1] اپنے زمانے کے سو سال بعد پیدا ہوتا تو نہایت متدین اور صلح پسند جج ہوتا وغیرہ۔ ۔ ۔ ۔

... لیکن شورش، بدامنی اضطراب اور ابتلا و امتحان کے زمانے میں بھی کسی قوم کے اساسی اخلاق میں تغیر و تبدل نہیں پیدا ہوتا، زیادہ سے زیادہ یہ فرق پیدا ہو جاتا ہے کہ ان اخلاق کے مظاہر بدل جاتے ہیں"

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کس طرح کسی قوم کے اخلاق کا تصور کرتے ہوئے اس کے فعل کے منظر نوعیت اور نتائج کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور دنیا کے ضابطۂ اخلاق میں افعال کی نوعیت، ظاہری حالت اور نتائج کے لحاظ سے اخلاق کو نامزد کیا جاتا ہے، اگر ہم زید کو صلح پسند کہتے ہیں تو محض اس وجہ سے کہ اس کی زندگی کے روز مرہ سے اس کے ہمسایہ، اور ملک و ریاست کی اجتماعی اور انفرادی زندگی پر قانوناً کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا، اگر ہم کسی کو عادل کہتے ہیں تو محض اس وجہ سے کہ وہ حقوق و مقدمات کا فیصلہ بلا رد و رعایت اس طرح کرتا ہے کہ فریقین کو شکایت کا موقع نہ رہے یا حقدار کو اس کا حق ملے یا غیر مستحق محروم رہے، اگر افعال کی ظاہری حالت اور نتائج کو نظر انداز کر دیا جائے تو اخلاق کو قوت و قابلیت فعل کے مرادف تصور کرنا پڑے گا، اور پر کی مثال میں اس لحاظ سے عدل کے معنے قوت فیصلہ کے ہونگے، اگر لیبان کا یہی مفہوم ہے تو یہ ماننا پڑیگا کہ قوموں کے

[1] انقلاب الامم صفحہ ۱۹۱ [2] یہ شورش فرانس کا ایک مشہور لیڈر گزرا ہے،

صد ور افعال کی قوتون مین فطرۃً یکسانیت ہوتی ہے، اگر دو قومون کی قوتون مین کوئی عدم مماثلت پائی جاتی ہے تو اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی بہ نسبت ان قوتون کے اظہار و استعمال کے مواقع کم ملے اور لامارک[1] کا مسلمہ اصول بھی یہی ہے کہ "ہر چیز کی ترقی اس کے استعمال و عدم استعمال پر منحصر ہے"،

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لیبان کے نزدیک قومی روح یا "مزاج عقلی" ہی نظام سیاست، مذہب وغیرہ کا مبدا ہین اور یہ روح ہر قوم کے ساتھ مخصوص اور مستحکم ہوتی ہے جس کے موثرات خاندان آبا و اجداد اور ماں باپ ہین، اس کے برخلاف یہ ثابت کرنے کی کوشش کیگئی ہے کہ قوم کی اس اخلاقی روح کا خمیر ماحول سے تیار ہوتا ہے اور ماحول بالواسطہ نام ہے مذہب، نظامِ سیاست وغیرہ کا، اس مختصر سے مضمون مین اتنی گنجایش نہین ہے کہ لیبان کے سارے قیاسی دلائل پر بحث کیجائے، اس لیے ہم ان چند تاریخی واقعات کی غلطی واضح کرنے کی کوشش کرین گے جن سے لیبان اپنے نظریہ کا استنباط کرتا ہے اور اس پر غور کرین گے کہ نظام الاخلاق مذہب و سیاست مین علت و معلول کا رشتہ ہے یا معلول و علت کا،

سیاست، انقلابِ فرانس پر بحث کرتے ہوے اپنے دعوے کے ثبوت مین لیبان لکھتا ہے کہ

"فرانس ان ملکون مین ہے جن مین ایک انقلاب پیدا ہو چکا ہے، بظاہر چند بار بون ہیں اس کا نظامِ سیاست بالکل بدل گیا ہے اور سیاسی فرقون مین سخت مغائرت پیدا ہو گئی ہے، لیکن اگر ہم ان خیالات کا جو بظاہر متناقض معلوم ہوتے ہین غور سے مطالعہ کرین، اور ان سیاسی فرقون کے متعلق جنمین ہمیشہ جنگ قائم رہتی ہے، دقت نظری سے کام لین تو معلوم ہوگا کہ ان سب کی حقیقت ایک ہے اور اس کے اندر فرانس کی قومی روح علانیہ جھلک رہی ہے، انتہا پسند، شخصیت پرست سوشلسٹ غرض تمام فرقے مختلف رنگ کی جھنڈیون کے نیچے ایک ہی منزل مقصود کی طرف جا رہے ہین اور سب کا نصب العین صرف یہ ہے کہ افراد کو حکومت کے اندر فنا ہو جانا چاہیے"[2]

[1] ایک فرانسیسی عالم کا نام ہے جس نے سب سے پہلے یورپ مین مسئلہ ارتقاء پر توجہ کی [2] انقلاب الامم: صفحہ ۹۱

بیشک ہم تسلیم کرتے ہین کہ صرف فرانس ہی نہین بلکہ دنیا کے تمام سیاسی نظامون کا مقصود اور نصب العین حکومت کے اندر فنا ہو جانا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کا مفہوم بھی تمام سیاسی فرقون کے نزدیک ایک ہی ہے؟ ایک شخصیت پرست کے نزدیک اگر حکومت کا دائرۂ عمل صرف اعلیٰ شخصی اقتدار و نفوذ تک محدود ہے تو سوشلسٹ کے نزدیک اجتماعی مفاد، بہبودی اور دولت عامہ پر انفرادی وجود، نفوذ اور اقتدار کو قربان کر دینے کا نام حکومت ہے، یہ بالکل صحیح ہے کہ استبدادی حکومت ہو یا اور کوئی نظام کسی سے بھی شخصیت کے عنصر کو علٰحدہ نہین کیا جا سکتا لیکن استبدادی حکومت مین ہر حیثیت سے شخصیت کا اقتدار پھیل کر وسیع اور اس کا مفہوم محدود اور اطلاق صرف ایک ذات پر ہوتا ہے، اور جمہوری یا سوشلسٹ نظامِ حکومت مین شخصیت کا اقتدار سمٹ کر محدود اور اس کا مفہوم و اطلاق وسیع ہو جاتا ہے، اور پبلک کا عنصر غالب رہتا ہے، اگر سب کا مقصود بالذات حکومت ہے تو مختلف فرقون کے نزدیک اس کا مفہوم اور اسکی عملی تشکیل بھی مختلف ہے، بلکہ متضاد، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیاسی فرقون کا اختلاف سطحی نہین بلکہ حقیقی ہے اور فرانس اس وقت استبداد کے جوے سے بے نیاز ہو چکا ہے، اور اس تبدیلِ ہیئتِ حکومت نے فرانسیسی قومی اخلاق کی روح مین بھی بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا، فرانس کی جدید روح کا ایک سرچشمہ یہی انقلاب اور بعد کی سیاسی تحریکات اور موجودہ نظامِ حکومت ہے،

اس کے بعد لیبان نے انگریزی قوم کے نظامِ حکومت کے متعلق لکھا ہے، کہ :-

"انگریزی[1] حکومت کے تخت پر بادشاہ یا پریسیڈنٹ کوئی بھی متمکن ہو جیسا کہ برطانیہ اور ولایات متحدہ امریکہ مین یہ دونون مختلف حالتین نظر آتی ہین لیکن انگریزی قوم کے طریقۂ حکومت مین کوئی اختلاف نہین پیدا ہوتا"،

اس کی وجہ یہ نہین ہے کہ یہ نظام انگریزی قومی روح کا نتیجہ ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ انگریزون کے نظامِ حکومت نے موجودہ نسل کی روح مین اپنے موافقِ حال تبدیلی کر لی ہے، اصل سوال بادشاہ یا پریسیڈنٹ کا نہین ہے بلکہ اصول حکومت کا، امریکہ اور انگلستان ہر دو کے نظامِ حکومت مین بہت کم اصولی فرق ہے، اگر یہ تسلیم

[1] انقلاب الامم صفحہ ۹۶

کرلیا جائے کہ موجودہ انگریزی اصولِ حکومت کو ان کی قومی روح نے پیدا کیا تو یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ قدیم طرزِ حکومت اور پاپائیت کا عہدِ اقتدار بھی انگریزی قوم کے اخلاق کے مظہر تھے اور یہ کہ قدیم نظامِ حکومت اور جدید طرزِ حکومت مین کوئی اصولی اور طریقِ کار کا فرق نہین ہے جس کی تردید مین انگلستان کی سیاسی تاریخ کے اوراق پیش کئے جاسکتے ہین، تاریخی شہادت کی روشنی مین ان دو صورتون سے گریز نہین، یا تو قدیم نظام ان کی روح کے مطابق ہے، یا موجودہ نظامِ حکومت، اگر قدیم نظام ان کی روح کے مطابق نہ تھا یا اگر جدید نظام ان کی روح کے مطابق ہے تو اس اختلاف کا نتیجہ لیبان کے خیال کے مطابق "قومی روح کی تبدیلی ہوگی" چونکہ قومی روح کی تبدیلی کے لیے سوائے سیاسی بیداری اور پاپائیت کی کایا پلٹ اور علمی احیاء کے اور کوئی موثرات نہین تھے، اس لیے موجودہ نظامِ حکومت کو اخلاقی روح کا معلول قرار نہین دیا جاسکتا، بلکہ نظامِ حکومت کی تبدیلی ہی قومی روح کے تغیر کا سبب اور علت اولے ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمدن ترقی کے پہلو بہ پہلو قومون کے باہمی ارتباط اور امتزاج سے ان کے اخلاق و عادات پر مخالف و موافق اثرات مترتب ہوتے ہین، اس کشمکش اور موانست کا نتیجہ ایک دوسرے پر عمل اور ردِ عمل کی صورت مین نمایان ہوتا ہے، کبھی مفتوح نے فاتح کی اور کبھی فاتح نے مفتوح قوم کی زندگی مین انقلابات برپا کر دیے ہین انگریزی قوم نے بھی اپنی فتوحات سے فائدہ اٹھا کر ایک بے مثل نظامِ حکومت کی بنیاد رکھی ہے، اس سلسلہ مین پارسی اور اسرائیلی عہدِ حکومت کے تمدن و معاشرت کا مطالعہ اور پھر عرب و عجم کے عہدِ حکومت کے تمدن سے اس کا موازنہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ان دونون زمانون کے تمدن مین نمایان فرق ہے جس کی تفصیل کی یہان گنجائش نہین ہے ابن خلدون نے زمانے کے تغیر و تبدل اور قومون کے تمدن، عادات و اطوار کے انقلابات کی مثالین دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"ان تغیرات عظیمہ کا سبب یہ ہے کہ ہر امت و قوم کے اخلاق و عادات اپنے بادشاہ کے طریق کے تابع ہوتے ہین، (الناس علی دین ملوکھم) مشہور حکیمانہ قول ہے"[1]

اس کے بعد فاتح قومون سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فاتح قوم کے اخلاق و عادات مین بھی تغیر و

[1] ابن خلدون حصہ اول صفحہ ۳۵

تبدل ہوتا ہے، اور ان فتوحات و تدریجی تغیر کا نتیجہ یہ ہے قوم اپنے اسلاف سے متغائر ہوجاتی ہے، آگے چل کر لکھا ہے کہ

"جب تک قومین یکے بعد دیگرے ملک و سلطنت حاصل کرتی رہین گی عادات و اطوار بھی بدلتے رہینگے"[1]

اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ نظامِ سیاسیہ قومی روح سے پیدا ہوتے ہین اور کوئی نظامِ حکومت اس کے خلاف قائم بھی ہو تو زیادہ مدت تک جاری نہین رہ سکتا، ہندوستان کے متعلق لیبان لکھتا ہے کہ ہندوستان مین مغلون اور انگریزون نے بے شبہہ ایک طویل زمانے تک اس اصول کے خلاف حکومت کی ہے، لیکن اولاً تو اس کا سبب یہ ہے کہ خود یہان کی مختلف قومون مین اس شدت کے ساتھ منازعت و مخاصمت موجود رہتی ہے کہ اجنبیون کے خلاف ان مین قومی اتحاد پیدا نہین ہوسکتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان اجنبی سلطنتون نے اپنی سیاسی روشن ضمیری سے ان قومون کے اخلاق و عادات کا ادب و احترام کیا ہے اور ان کو اپنے مذہب و قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنے کی آزادی دی ہے"[2]

اس تصریح سے لیبانی نظریہ کی تائید نہین ہوتی بلکہ صرف یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ قومون کی باہمی منازعت و مخاصمت اور قومی اتحاد کا فقدان ہی اس کی غلامی کا ذریعہ ہے، اور اجنبی حکومت کے استحکام کا دار و مدار مفتوح قوم کی مذہبی اور اخلاقی آزادی پر ہے، پہلے تو یہ صحیح نہین کہ انگریزی حکومت نے کم از کم اپنے ابتدائی عہد ہی سے مذہبی اور اخلاقی آزادی دے دی تھی، اور اگر کوئی آزادی حاصل بھی ہے تو صرف اس حد تک جہان حکومت کا مفاد قومون کی آزادی سے متصادم نہین ہوتا، انگریزی نظامِ حکومت اور ہندوستانی نظامہائے اخلاق کے اختلاف اور تصادم کی سب سے پہلی نظیر ۱۸۵۷ء کا غدر ہے، اگر بالفرض انگریزی عہدِ حکومت مذہبی آزادی کے مانع نہین ہے تو ہندوستان قومی روح کا مظہر بھی تو ثابت نہین کیا جاسکتا، اس کے برخلاف حکومت نے ہندوستان کی قومی روح اور نظام الاخلاق و نقطۂ نظر کو بہت کچھ بدل دیا ہے، مغلیہ اور انگریزی حکومت کے ابتدائی دور مین ہندوستان کی بعض قومین فاتحین سے نفرت یا ان کو اچھوت اور ملیچھ سمجھ کر دو گز کے فاصلے سے گفتگو کرتی تھین تو اب ان کا بیشتر حصہ ان ہی اچھوتون سے ہاتھ مین ہاتھ ملانے کو فخر جانتا ہے، موجودہ حکومت

[1] ابن خلدون حصہ اول، [2] انقلاب الامم صفحہ ۹۵

کے طرزِ عمل نے ان قومون کو بھی جنھون نے مذہب اور پوجا پاٹ کو اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا، دیوتون، مندرون اور مساجد سے نکال کر سیاسی میدان مین کھڑا کر دیا ہے اور مذہبی کشمکش سیاسی حیثیت اختیار کرتی جاتی ہے، قدیم خوش اعتقادیون کی جگہ بہت کچھ آزادخیالی نے لے لی ہے، قانون امتناعِ اسلحہ اور موجودہ امن و امان سلمان اور راجپوت نسلون سے بہادری کے جوہر کو سلب کرتے جاتے ہیں مختصر اًیہ کہ ہندوستان کی قومون کا موجودہ تمدن ۱۸ صدی پیشتر کے تمدن اور عقائد سے بہت کچھ مختلف ہو چلا ہے جو نظامِ حکومت کی تبدیلیون کا نتیجہ ہے،

مذہب، لیبان نے مذاہب پر سرسری بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قومون نے بظاہر ایک جدید مذہب قبول کر لیا لیکن قدیم مذہب کی حقیقت کو نہین بدلا، صرف اس کا نام بدل دیا ہے، اس سلسلہ مین بدھ مذہب کے متعلق لکھتا ہے:-

"جب[1] چین مین یہ مذہب داخل ہوا تو اس کی تمام خصوصیات اس طرح مٹ گئین کہ علمار نے اس کو ایک مستقل مذہب خیال کیا اور ان کو ایک مدت بعد معلوم ہوا کہ یہ بدھ مذہب ہے جس مین چینیون نے اس قدر تغیرات پیدا کر دیے ہین، یہ مذہب ہندوستان، چین، نیپال، اور سیلون مین بھی قائم ہے، لیکن اس کی حقیقت ہر جگہ ایک دوسرے سے مختلف ہے"

ہم اس اختلاف کو تسلیم کرتے ہین بحث صرف یہ ہے کہ آیا یہ اختلاف قومی روح کے اساس اور مغائرت کا نتیجہ ہے یا کچھ اور، اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ جہان کہین بدھ مذہب گیا وہان پہلے کے قدیم مذاہب بھی مقابلے کے لیے موجود تھے، جب مختلف مذاہب کسی قوم کے سامنے مظاہرہ کرتے ہین تو کامیابی کا دار و مدار ہر ایک کی قوت اور ایمانی اثر پر ہوتا ہے اور جس کی قوت زیادہ ہوگئی اس نے قبضہ کر لیا، حقیقت یہ ہے کہ ایک مذہب جب دوسرے سے ٹکراتا ہے تو جہان وہ دوسرے مذہب پر مؤثر ہوتا ہے وہان خود بھی متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا[2] جاپان کو لیجئے جہان کا قدیم مذہب شنتو تھا، اور اس کے بعد چینی مذہب کنفیوسس بدھ مت، اور عیسائیت نے قدم رکھا، نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ جاپان کے مذہبی خیالات قدیم مذہب شنتو دھرم کنفیوسس کے عقائد بدھ کی تعلیمات

[1] انقلاب الامم صفحہ ۷۱ [2] ایضاً،

اور عیسوی مذہب کی اخلاقیات کا ایک مجموعی نتیجہ ہے"۔ یہی کیفیت موجودہ چین کے مذہب کی ہے، بدھ مذہب نے اس حیثیت سے صرف بدھ کے نام کی منادی نہین کی بلکہ قدیم مذہبی خیالات مین بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا، ہندوستان مین اگرچہ بدھ مت کا وجود نہین رہا لیکن اب تک بدھ مت کی تلقین کے بہت سے نقوش قدیم ہندیون کے قلوب پر جاگزین ہین، مثلاً جاندار مخلوق پر رحم کرنے کی تحریک اور ترکِ گوشت کا خیال بدھ مت کی تعلیمات کا عملی نتیجہ ہین، اگر ہندوستان مین اس مذہب کو قدیم ہندو مت کے مقابلے مین کچھ زمانہ اور ثبات اور استحکام نصیب ہوتا یقیناً موجودہ ہندو مت اپنے اصل سے ایک الگ چیز ہوتی، اسی سلسلہ مین اسلام کے متعلق لیبان لکھتا ہے:-

"اسلام[1] بھی باوجود اپنے عقیدۂ توحید کی سادگی کے اس کلیہ سے مستثنیٰ نہین ہے، چنانچہ ایران، عرب اور ہندوستان کے اسلام مین عظیم الشان فرق ہے، ہندوستان مین چونکہ تعدادِ خدا یعنی شرک کا عقیدہ پختہ طور پر قائم ہو گیا تھا اسلیے ہندوستانیون نے سخت سے سخت موحدانہ مذہب مین بھی نہایت آسانی کے ساتھ بہت سے خدا پیدا کر لیے، پانچ کرور ہندوستانیون کا اعتقاد کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور دوسرے اولیا خدا ہین"

اسلام کے عقیدۂ توحید کا جہان تک تعلق ہے، ایران، عرب اور ہندوستان مین کوئی فرق نہین، ہان فروعی اعتقادات اور مسائل کی حد تک اختلافات موجود ہین جس سے اسلامی توحید کے عقیدے پر کوئی اثر نہین پڑتا ہے، ہندوستان کے پانچ کرور مسلمانون مین سے شاید ہی کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر اولیا ر خدا کا درجہ رکھتے ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیبان نے درگاہون اور دیگر زیارت گاہون پر مسلمانون کی عقیدت کے اظہار سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے اور اسلامی عقیدۂ توحید سے بالکل ناآشنا ہے، اسی سلسلہ مین لکھتا ہے کہ:-

"الجزائر[2] مین دو مختلف قبیلے ہین، یعنی عرب اور بربر، دونون کے دونون مسلمان ہین لیکن دونون کے

[1] انقلاب الامم صفحہ ۷۳ [2] ایضاً،

امام غزالی اور حکماے یورپ

مترجمہ مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

امام غزالی کا علم اخلاق اور حکماے یورپ،

امام غزالیؒ کی تصنیفات مین جو کتابین فلسفہ اور اخلاق اور تطبیق عقل و نقل سے تعلق رکھتی ہین، وہ یورپ مین بارہوین صدی سے ترجمہ ہو کر چھپنا شروع ہو گئی تھین، اس لئے اسی وقت سے حکماے یورپ کو امام صاحب کے فلسفہ و علم اخلاق پر غور و فکر کا موقع ملا، اور رفتہ رفتہ امام صاحب کے یہ خیالات اُن مین پھیلے، اور پھر ان کی زبان و قلم سے اس طرح ادا ہوئے کہ بہت سے لوگ جن کو اصل حقیقت کا علم نہین وہ ان خیالات و مسائل کا اصل موجد انھین حکماے یورپ کو سمجھتے ہین، چنانچہ القدس کے ایک اہل قلم نے ایک سلسلۂ مضمون مین فلاسفۂ یورپ کے ایسے مختلف نظریئے یکجا کئے ہین جن کے ماخذ امام صاحب کی تصنیفات قرار پاتے ہین:-

غزالی اور پسکل

امام صاحب کے سوانح زندگی کا یہ مشہور و معروف واقعہ ہے، کہ ان کے غور و فکر کا آخری محور حیات سرمدی اور عالم آخرت تھا، اور وہ اس دنیا اور دنیاوی زندگی کو حقیقی و ابدی زندگی تک پہونچنے کا محض ایک وسیلہ قرار دیتے تھے،

امام صاحب کے پان سو برس بعد یورپ کا مشہور فلسفی پسکل (PASCAL) اسی نظریہ کا علمبردار نظر آتا ہے، اور پھر اسے خود اپنی جگہ اس قدر یقین تام ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کے تمام شعبون مین انقلاب پیدا کرکے خشک اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے لگ جاتا ہے،

میگل ایسن (MIGUEL ASIN) نے جو میڈرڈ یونیورسٹی مین عربی زبان کا پروفیسر ہے سنہ ۱۹۲۰ء مین "پسکل کے اسلامی مقدمات" کے نام سے ایک رسالہ شایع کیا ہے، اس مین "پسکل اور اسلامیات" پر کافی روشنی ڈالی ہے، جس سے اس کے ان زاہدانہ و متصوفانہ اسلامی خیالات کا پتہ چلتا ہے،

لے ماخوذ و ملخص از المقتطف ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۸ء،

اسلام مین بڑا فرق ہے، یہ برلوگ تعدد ازدواج کے قائل نہین ان کا ایمان صرف ایک بی بی پر ہے"،

اسلام مین تعدد ازدواج کی اجازت دیگئی ہے لیکن ہر شخص کیلئے ایک سے زیادہ بیویون کا لزوم نہین ہے اگر کوئی ایک سے زیادہ بیویان نہ[illegible] چاہتا تو اسکے اسلام مین کوئی فرق پیدا نہین ہوتا، بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہندوستان مین عقیدۂ توحید عقیدۂ شرک سے مسخ ہو چکا ہے، تو سوال یہ ہے کہ [illegible] بھی تو بت پرست تھی، کیا وجہ ہے کہ ان کے عقیدۂ توحید مین شرک کا شائبہ تک نہین، حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے بر[illegible] کی روح مین اپنی تبلیغ کی عرض مدت کی مناسبت سے عظیم الشان اصلاحین اور تغیرات کئے ہین، کسی اور [illegible] اس کی تعلیمات کے نقوش اگر ہلکے نظر آتے ہین تو اس کی وجہ زیادہ تو یہ ہے کہ اس کو زیادہ مدت تک ا[illegible] سے استفادہ کرنے کا موقع نہین ملا، یہ ہین وہ چند واقعات جن کی بنا پر لیبان مذہب اور سیاست کو قومی [illegible] یا مزاج عقلی کا مبدا قرار دیتا ہے، بالفرض اگر اس نظریہ کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ دریافت طلب ہے کہ سب [illegible] اور ابتدائی انسان نے جس کا کوئی سلسلۂ خاندان نہین تھا اور نہ جس کے ماں باپ تھے، اپنے اخلاق کے عناصر [illegible] سے جمع کئے، سچ پوچھو تو کائنات کی دیگر مخلوقات کی طرح انسان بھی ایک مخلوق ہے اور وہ ساری نظری [illegible] جو انسان سے منسوب کیجاتی ہین حیوانات مین بھی اپنی سادہ صورت مین یکسان پائی جاتی ہین، عقل، ارادہ، [illegible] و نیز تمام حیوانی خواہشات ان مین بھی ویسی ہی موجود ہین، باوجود اس نوعی یکسانیت کے انسان [illegible] حیوانی الحال سے کہین بلند ہے، یہ ترقی پذیر ہے اور وہ سکون کے عالم مین، غور کرو تو یہ ترقی پذیری بھی ایک اور قوت کی محتاج و ممنون ہے جو اسکو د[illegible] کہا جا سکے یا الہام و مذہب لیکن اس باطنی طاقت سے انکار نہین کیا جا سکتا جو انسان کی اسکے تمام تمدنی منزلون مین رہنمائی کرتی رہی ہے جسکے نور [illegible] انتہائی تاریک اور وحشی دل بھی اسی طرح جذب کرتے رہے ہین جسطرح آج مہذب دنیا کے سپوت اسکی کرنون کو اپنی قلب کی گہرائیون [illegible] محسوس کرتے ہین، دنیا کا سب سے پہلا اخلاقی نظام اسی کا ایک غمزہ تھا، اور یہی سر چشمہ ہے تمام تمدنی شاخون کا اور قومون کے موجودہ اخلاقی نظام یا مز[illegible] انکی ذات مین، نظام الاخلاق اور قومی مزاج کے متعلق علت و معلول کی بحث یا اخلاقیات کے مختلف مذاہب افادیت، ضمیریت، روحانیت [illegible] سب کچھ بعد کے مسالک ہین، خود نظام سیاست اسی سے روشنی حاصل کرتا ہے اور یہ سب مل کر قومون کی روح کا [illegible] ہوتے ہین،

عالم اخروی پر یقین رکھنے کے متعلق پیسکل کا استدلال ہے کہ ممکن ہے عالم اخروی کوئی حقیقت واقعہ نہ ہو، لیکن تمام مذاہب عالم منکرین آخرت کو جس قسم کے عذاب کی وعید سناتے ہین، وہ بہت ہی سخت ہین، اور دوسری طرف وہ جس دنیاوی فانی لذتون اور خواہشون سے باز رکھنا چاہتے ہین، وہ معدودے چند ہین، اس لئے عقل انسانی کے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ انسان ان فانی لذتون سے دستکش ہوجائے،

یہ نکتہ آفرینی آج پیسکل کی طرف منسوب ہے، لیکن ہم اس کے اصل ماخذ کو سامنے لانا چاہتے ہین، اور وہ احیاء العلوم ج ۳ ص ۳ ہے، اس مین امام صاحب نے یہی نکتہ کمال شرح وبسط سے پیش فرمایا ہے، اور اس کو ایک مثال سے بھی سمجھانا چاہا ہے، فرماتے ہین: "کسی عقلمند کے سامنے قسم قسم کے لذیذ کھانے پیش کئے جائین لیکن اس کے ساتھ ان کھانون کے متعلق زہر آلود ہونے کا بھی شبہہ ہو تو کیا ایسی صورت مین اس کا ایک لقمہ بھی چکھ لینا ہوشمندی کی دلیل ہو گی، کیا ایک وقتی لذت کے لئے کوئی دائمی موت کا خطرہ قبول کریگا؟"

اس نکتہ پر فلاسفۂ یورپ کے درمیان خوب خوب خیال آرائیان بھی ہوئی ہین، جن مین مشہور فرانسیسی فلسفی پرودیوم (PRUDHOMME) سب سے پیش پیش ہے، وہ اس استدلال پر چند شبہے وارد کرتے ہین جن مین معقول ترین کہا جا سکتا ہے، کہ اس دلیل سے آخرت پر ایمان ویقین تو نہین حاصل ہوتا صرف ظن وگمان حاصل ہوتا ہے، جس کو ایمان سے تعبیر نہین کر سکتے، لیکن امام غزالی نے ایمان پر جو بحث کی ہے، وہ اس اشتباہ کو رفع کر دیتا ہے،

فلسفۂ اخلاق و تصوف پر کتابین

امام صاحب کے فلسفۂ اخلاق وتصوف پر پچھلے چند سال مین بھی دو قابل قدر کتابین نکلی ہین، جن مین سے ایک مشہور امریکن مستشرق زویمر کی کتاب "ایک مسلم حق کی جستجو مین" کے نام سے شائع ہوئی ہے، اور دوسری ڈاکٹر زکی مبارک کی ضخیم کتاب "الاخلاق عند الغزالی" ہے، ان دونون اہل قلم نے اپنی تصنیف مین امام صاحب کے متعلق ایک دوسرے سے مختلف شاہراہ اختیار کی ہے، اور لطیفہ یہ ہے کہ ایک موقع پر دونون نے ایک ہی استدلال سے دو مختلف نتیجے نکالے ہین، چنانچہ دونون اس امر مین متفق ہین کہ امام صاحب نے انجیل کا وسیع مطالعہ کیا، اور اپنے علم اخلاق اور الٰہیات مین اس کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر ہوئے، اس کے بعد ڈاکٹر زویمر اپنے اس نظریہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ "ان کی زاہدانہ زندگی، اور علم الٰہیات سے وابستگی محض انجیل کی رہین منت ہے،" اور ڈاکٹر زکی مبارک اسی کو اس طرح ادا کرتے ہین، کہ "امام غزالی کی گمراہی (یعنی زہد وتصوف) اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب سے وہ انجیل کے سلبی آداب وتہذیب کو قبول کر لیتے ہین"،

امام غزالی ایک فلسفی کی حیثیت سے،

امام صاحب نے شام مین عزلت گزین ہونے سے پیشتر ایک کتاب مقاصد الفلاسفہ کے نام سے لکھی، جس مین فلاسفہ کے آراء وافکار اور عام فلسفیانہ مسائل کو صاف وسلیس طرز پر بغیر کسی بحث وتجیص کے پیش کیا ہے، اس کے بعد تہافۃ الفلاسفہ کے نام سے ایک دوسری کتاب لکھی، یہ گویا مقاصد الفلاسفہ کی دوسری جلد ہے، اس مین امام صاحب نے اپنے نقطۂ نظر سے فلاسفہ کے تمام قابل اعتراض مسائل پر اعتراضات کے تیر برسائے ہین، اور در اصل ان کی تصنیفات مین یہی کتاب ہے، جو فلسفیانہ رنگ مین ڈوبی ہوئی ہے، یہ کتاب اس وقت تصنیف ہوئی جبکہ وہ مدرسہ نظامیہ مین درس وتدریس سے طلبہ کو فیضیاب کر رہے تھے، اس کتاب مین فلاسفہ کے نظریون کے توڑنے کے بعد ان کا قصد تھا کہ ایک مستقل تصنیف مین اپنے فلسفیانہ خیالات کو بھی قلمبند کر دین کہ اتنے مین ان کی زندگی مین ایک نمایان تبدیلی ہو گئی، اور قلم کا رخ فلسفہ کی طرف سے ہٹ کر مذہب وروحانیت کی طرف پھر گیا، اور اسی کے بعد احیاء العلوم کی تالیف ہوئی، اگرچہ امام صاحب کی زندگی مین اس انقلاب کے ہوجانے سے ان کے فلسفیانہ خیالات کسی مستقل تصنیف مین یکجا نہ ہو سکے مگر پھر بھی ان کی اکثر تصنیفات مین جا بجا فلسفہ وحکمت کی آمیزش پائی جاتی ہے جس کا رنگ خود بخود جھلک آتا ہے، اور ان کی تمام تصنیفات کے مطالعہ کے بعد از خود فیصلہ کرنا پڑتا ہے، کہ امام صاحب ایک صاحب غور وفکر اور اہل نظر فلسفی تھے، اسی بنا پر وہ دوسرون کو بھی غور وفکر کی دعوت دیتے ہین چنانچہ ایک موقع پر اپنی کتاب "میزان الاعمال" مین فرماتے ہین، "اگر ان خیالات سے تمہارے ان موروثی معتقدات مین تذبذب آجائے تو صداقت کی جستجو مین لگ جاؤ کہ انسان کو اس کے شکوک ہی صحیح رہنمائی کر کے حقائق تک پہونچاتے ہین، کیونکہ جس شخص کو کبھی شک

نہین ہوا، اس کو کبھی کچھ نظر نہین آیا، اور جسے کچھ نظر نہ آیا ہو اس مین بصیرت نہین ہو سکتی، اور جس مین بصیرت نہین وہ ضلالت و گمراہی مین گرفتار ہے، امام صاحب کا یہ محض نظری فلسفہ یا فلسفیانہ ادعا نہین، ان کی سوانحِ حیات ہمارے سامنے ہین، در اصل ان کی یہ دعوت ایک آزمودہ کار انسان کے تجربات کا تمام تر خلاصہ

غزالیؒ اور ڈیکارٹ

چھ صدیان گذرنے کے بعد ڈیکارٹ نے امام صاحب کے انھین خیالات کا اعادہ کیا، البتہ دونون کے طریقۂ ادا مین فرق ہے، امام صاحب نے آبائی مذہب پر بلاچون و چرا ایمان رکھنے کے برخلاف شک پیدا کرکے غور و فکر کرنے کی دعوت دی تھی، اور ڈیکارٹ انسان کے ان تقلیدی افکار و اعمال کے خلاف جو یکسان طور پر لوگون مین جاری تھے، علمِ بغاوت بلند کرتا ہے،

اور پھر جس طرح یہ خیالات امام صاحب کی زندگی پر اثر انداز ہوئے تھے، اسی طرح ڈیکارٹ بھی مدتون تشکیکی زندگی مین سرگردان رہا، البتہ نتیجہ کے اعتبار سے دونون مین بڑا فرق رہا، یعنی امام صاحب نے حق و عرفان کی رہنمائی مین اس تشکیکی خلیج کو عبور کرکے طمانیتِ قلب حاصل کی تھی، مگر ڈیکارٹ کا منتہائے نظر ایک ایسی عقل قرار پائی جو تاثیر و تاثر سے بالکل خالی ہو،

بعض لوگون کو امام صاحب کے نظریۂ شک کے خلوص و صداقت مین شبہہ رہا ہے، اور آج تک بے شمار منتقدین مین سب سے پیش پیش انکا مشہور نکتہ چین ابن رشد ہے، اور پھر ایک یہودی فلسفی موسی زبونی نے بھی چند مستقل کتابون مین اس پر بحث کی ہے، اور حال مین جرمنی کے مشہور مستشرق گھوشؔ (GOSC HE) ان منتقدین کی ہمنوائی مین خاص دلچسپی لے رہا ہے، لیکن اس کے جواب مین امریکن مستشرق میکڈانلڈ (MACDONALD) نے جس نے امام صاحب کے فلسفہ کے مطالعہ مین اپنی عمر کا کافی حصہ صرف کیا ہے، اس اتہام کی پرزور دلائل کیساتھ نہایت شدت سے تردید کی ہے،

غزالی اور ہیوم

امام صاحب نے تہافۃ الفلاسفہ مین فلاسفہ کے نظریون اور مسائل پر بحث و تنقید کرتے ہوے عقل انسانی کے تسلط و قدرت پر مشکوک نظر ڈالی ہے، بلکہ ایک حد تک اس کتاب کی منتہائے غرض عقل کی بیچارگی و بے مائگی ہی ثابت ہوتی ہے، امام صاحب کے سات سو برس کے بعد ہیوم (Hume) بھی اسی منزل تک پہونچا ہے، لیکن امام صاحب نے فلاسفہ کے بنائے ہوئے قوانین ہی کے ذریعہ ان کے مسائل کی مستحکم بنیادین متزلزل کرکے عقل کی بے مائگی دکھائی تھی، اور ہیوم اپنی عادت کے مطابق صرف جدل و مناظرہ سے اس نتیجہ تک پہونچا کہ ہم علت و نتیجہ سے مطلق واقف نہین، ہمین صرف یہ علم ہے کہ اشیاء باہم ایک دوسرے کے بعد ہوتے ہین،

غزالی اور کانٹ

امام صاحب کی عام تصنیفات خصوصًا تہافۃ الفلاسفہ مین طریقِ استدلال کا ایک نمایان طرز یہ نظر آتا ہے، کہ وہ مختلف موضوع ازل، قدم عالم وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے غیر محدود دلائل براہین دیتے چلے جاتے ہین، اور پھر اسی سلسلہ مین بحث و مناظرہ کا ایک ایسا طریقۂ استدلال سامنے آجاتا ہے، جس مین ایک ہی نظریہ کو ثابت کرنے مین، دو ایسی مختلف دلیلین پیش کرتے ہین، جو ٹھیک جگہ پر ایک دوسرے سے بالکل متبائن ہوتی ہین،

امام صاحب در حقیقت ایسے موقعون پر عقل انسانی کے عجز کی طرف نہایت خوبصورتی سے اشارہ کردیتے ہین، ہم اس طریقِ استدلال کو Untinomianism سے موسوم کرسکتے ہین، پھر دیکھنا چاہئے، کہ کیا جرمنی کے مشہور لائق فلسفی کانٹ (Kant) نے اپنی مشہور کتاب "عقل مجرد کی تنقید" مین یہی طریقِ استدلال اختیار نہین کیا،

علمائے اسلام مین غزالی کا درجہ مستشرقین کے نقطۂ نظر سے،

امام صاحب نے فلسفہ کی تحصیل صرف اس لئے کی کہ فلاسفہ کے ملحدانہ اعتراضات کے جوابات دیکر خود فلسفہ کی غلطیان دکھائی جائین، اسلئے فلسفہ و حکمۃ انکا ایک ثانوی و اکتسابی فن تھا، اور خود انکے نقطۂ نظر سے یہ انکی زندگی کا کوئی اہم مقصد نہ تھا، اس کے باوجود فرانسیسی فلسفی رینان (Renan) انھین عرب کے تمام فلاسفہ و حکما مین غور، فکر، تدبر اور تعمق مین سب سے بلند ترین رتبہ دیتا ہے، اور ان مستشرقین مین سے جنھون نے اسلامی فلسفہ کا مطالعہ کیا ہے، ایک بڑی جماعت اس کی ہمنوا ہے،

تلخیص و تبصرہ

مصر کے موجودہ مذہبی مدرسے

جامع ازہر مصر کے گذشتہ شیخ ابوالفضل جیزادی کے انتقال کے بعد سے وہان کی مشیخت کی مسند خالی تھی اب ا[illegible]
منصب پر مصر کے ایک ممتاز روشن‌خیال عالم شیخ محمد مصطفیٰ مراغی فائز ہوئے ہین، یہ انگریزی زبان بھی کچھ جانتے ہین، اور [illegible]
سوڈان مین قاضی رہ چکے ہین، جدید تعلیم یافتہ اشخاص بھی ان کے تقرر سے خوش ہین اور امیدین لگائی جاتی ہین کہ ان کے
عہد مین جامع ازہر کی اصلاح کا مسئلہ بہت حد تک آگے بڑھے گا، ان کے اس تقرر کی مناسبت سے مصر کے مذہبی مدارس
کے حالات مصر کے بعض رسائل مین چھپے ہین، جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

جامع ازہر مصر کے مذہبی مدارس مین سرِ فہرست جامع ازہر کا نام ہے، اس کی بنیاد ۳۵۹ھ مین تکمیل کو پہونچی
اور ۳۶۱ھ سے وہان درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا، جس مین ابتداءً صرف ۳۵ طلبہ داخل ہوئے اور ابتداءً صرف [illegible]
شافعی کی تعلیم جاری ہوئی، اور اسی کا سلسلہ مدتون جاری رہا، پھر ۱۲۸۸ھ مین اس کے نصاب مین توسیع ہوئی، اور علم [illegible]
و دیگر علومِ عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا، اس کے بعد ۱۲۵۹ھ سے اس مین غیر مستطیع طلبہ کے قیام و طعام کا ا[illegible]
کیا گیا، اور فقہ شافعی کے ساتھ فقہ حنفی بھی درس مین داخل ہوگئی،

طلبہ کی تعداد مین بھی روز بروز ترقی ہوتی رہی، چنانچہ ۱۹۱۵ء مین وہان کے طلبہ کی تعداد ۱۰۰۰۰ تک پہونچ گئی، جو مختلف
ممالکِ اسلامیہ کے رہنے والے تھے، اس لئے رفتہ رفتہ وہان کے فارغ التحصیل طلبہ مین مشائخِ اسلام، مورخین، قضاۃ، شعراء ا[illegible]
اہلِ قلم کی ایک ممتاز، قابلِ قدر جماعت عالمِ اسلامی مین پھیل گئی،

جب محمد علی پاشا نے دورِ جدید کا لحاظ کرکے چند ایسے مدارس کی بنا ڈالی، جن مین جدید علوم و فنون کی تعلیم کا ا[illegible]
کیا گیا تو اسی جامع ازہر کے طلبہ کو منتخب کرکے مختلف طبی، انجینیری، اور حربی مدرسون مین داخل کیا گیا، اور پھر یہی طلبہ ان
مدرسون سے فارغ ہوکر ملک کی اہم خدمات مین مصروف ہوگئے، جن مین سے بعض لوگون کو اس لحاظ سے خاص امتیاز حاصل
ہے، کہ وہ ان مدرسون سے فارغ ہوکر علمی و تصنیفی مشغلہ مین مصروف ہوگئے، جن مین سے چند مشہور لوگ یہ ہین،
رفاعہ بک رافع، یہ مصر کے دار الترجمہ کے نگران کار تھے، جس مین جدید علوم و فنون کی کتابون کو عربی مین منتقل کرنے
کا سلسلہ جاری تھا، بیومی آفندی نے علم جبر و مقابلہ مین ایک قابلِ قدر کتاب، کتاب الجبرا کے نام سے لکھی، ابراہیم آفندی
نے فنِ انجینیری مین متعدد مفید کتابین کتاب الہندسہ، کتاب قطع الاحجار و الاخشاب اور کتاب الظل المنظور کے نام سے
لکھی ہین، محمد علی پاشا البقلی علم طب کی مختلف کتابون کے مؤلف ہین، اور احمد آفندی رشیدی نے کتاب المادۃ الطبیعیہ کے
نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے، اور انھین کا ایک مشہور علمی سفرنامہ بھی ہے، جس مین سواحلِ بحرِ احمر اور ممالکِ میکسیکو کے حالات ہین
اس کے بعد جب حکومتِ مصر نے اساتذہ کی تعلیم و تربیت کے لئے دار المعلمین قائم کیا تو جامع ازہر اور اس کے ملحق مدارس
کے ہزارون طلبہ کو اس مین داخل کیا گیا، تاکہ ان کو ابتدائی تعلیم دینے کے طریقے سکھائے جائین، اس لئے دراصل جامع ازہر مصر
کی قدیم و جدید دونون تعلیم کا منبع قرار پاتا ہے،

جامع ازہر کا نظامِ تعلیم مدت تک اپنے قدیم طریقون پر جاری رہا، یہان تک کہ اس کے لئے ۱۸۷۲ء مین سب سے
پہلا قانون وضع کیا گیا، اور نظامِ تعلیم کی ایک خاص ترتیب قائم کی گئی، پھر حسب ضرورت اس کے لئے قوانین وضع
ہوتے رہے، اور بالآخر ۱۹۱۱ء مین جامع ازہر اور عام اسلامی مدارس کے لئے حکومت کی طرف سے دفعہ قانون نمبر ۱۰ ۱۹۱۱ء
کے نام سے مرتب ہوا، اور پھر ۱۹۲۳ء مین اس مین کچھ ترمیم و تنسیخ کرکے دفعہ قانون نمبر ۳۲ صادر ہوا، اور آج تک اسی قانون
کے ماتحت نظام قائم ہے،

اس قانون کے رو سے تعلیم کے تین مدارج ابتدائی، ثانوی، اور عالیہ قرار پائے، اور ہر ایک کو چار چار سال
پر تقسیم کیا گیا، اس طرح جامع ازہر مین مجموعی مدتِ تعلیم ۱۲ سال قرار پائی، اور اس کے بعد مخصوص اعلیٰ تعلیم کے لئے جو کسی
خاص فن کی ہوگی، ۳-۲ سال اور مقرر کئے گئے ہین،

جامع ازہر کی مشیخت کو ابتداء سے خاص اہمیت رہی ہے، ابتداءً جامع ازہر کی نگرانی مصر کے شیخ الاسلام کے سپرد تھی، پھر گیارہوین صدی ہجری مین ازہر کے نظم و نسق کے لئے جداگانہ ایک مستقل نظام قائم کیا گیا، نگران کار کو شیخ ازہر، کا لقب دیا گیا، اور اس عہدہ پر سب سے پہلی مرتبہ ابو عبداللہ الخرشی المالکی سرفراز ہوئے، اور سنہ [illegible] تک علمائے مالکیہ کے بعد دیگرے اس عہدہ پر ممتاز ہوتے رہے، لیکن مشیخت ازہر کے لئے مذاہب اربعہ مین سے کسی کی تخصیص نہ تھی، چنانچہ [illegible] کے بعد شوافع کا دور آیا اور مدت تک علمائے شافعیہ یہ خدمت انجام دیتے رہے، یہان تک کہ شیخ [illegible] مہدی عباسی احناف مین سے سب سے پہلی مرتبہ اس عہدہ پر فائز ہوئے، اس کے بعد اس کے قیادت کی باگ احناف و شوافع مین بدلتی رہی، اور اب شیخ مراغی سرفراز ہوئے ہین جو حنفی المذہب ہین، مشیخت ازہر کا معاوضہ [illegible] پونڈ سالانہ ہے،

جامع ازہر پر وقتاً فوقتاً وقف بھی ہوتے رہے ہین جن کا نقشہ مع آمدنی کے حسب ذیل ہے،

نام وقف	پیمائش زمین	سالانہ آمدنی
وقف عثمان ماہر پاشا،	۴۴۵ ایکڑ	۴۴۳۲
وقف احمد راغب بک،	۴۳۰ "	۲۰۸۸
وقف عائشہ صدیقہ خانم،	۲۵۲ "	۱۹۸۰
وقف فریدہ خانم سلیم،	۱۵۹ " و دو مکان	۲۸۰۶
وقف عبدہ بک سلامہ،	۸۶ "	۶۹۱

ان تمام اوقاف کی نگرانی شیخ ازہر کے سپرد ہے،

آج کل ازہر مین اساتذہ کی تعداد ۲۴۶ ہے، اور طلبہ ۸۳۴۴ ہین جن مین سے ۰۰۰ بیرونی ہین، اس کا بجٹ ۹۳۶۲۹ پونڈ ہے،

جامع ازہر کے علاوہ مصر کے موجودہ مذہبی مدارس حسب ذیل ہین،

مدرسۂ اسکندریہ، اس کی سنہ ۱۹۰۳ء مین بنیاد پڑی، اور سنہ ۱۹۰۹ء سے مشیخت کا عہدہ قائم ہوا، جس کو شیخ علمائے اسکندریہ، کا لقب دیا گیا، اس مدرسہ مین آج کل ۸۲ اساتذہ ہین جن مین سے ۴۴ علوم جدیدہ کی تعلیم دیتے ہین اور طلبہ کی مجموعی تعداد ۸۰۱ اور میزانیہ ۲۱۶۴۳۷ پونڈ ہے،

مدرسۂ طنطا، پہلے طنطا کی جامع احمدی مین ایک مدرسہ تھا، پھر اس کی مستقل عمارت بنائی گئی، اور اس مین ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۱۳ء سے تعلیم شروع ہوئی، اساتذہ کی تعداد ۱۶۹ اور طلبہ کی ۲۵۳۶ ہے، میزانیہ ۲۰۰۶۱ پونڈ ہے،

مدرسہ اسیوط، سلطان حسین کامل مرحوم نے اس کی بنیاد ڈالی، ۱۹ ستمبر سنہ ۱۹۱۵ء سے اس مین تعلیم شروع ہوئی، ۶۴ اساتذہ اور ۹۳۱ طلبہ ہین، میزانیہ ۵۰،۱۷ پونڈ ہے،

مدرسۂ دسوق، یہ ایک قدیم مدرسہ ہے، جو سید ابراہیم دسوقی کی طرف منسوب ہے، ۳۰۰ سال سے یہ جامع ازہر کے ملحقات مین آگیا ہے، مدرسین کی تعداد ۱۹ اور طلبہ کی ۳۸۸ ہے، سالانہ میزانیہ ۵۰۷۵ پونڈ ہے، علاوہ ازین ۳۶۵ پونڈ مختلف دیگر اوقاف سے بھی اس کو ملتے ہین،

مدرسہ دمیاط، سلطان اشرف قایتبائی نے سنہ [illegible]ء مین اس کی بنیاد ڈالی، ۲۲ اساتذہ اور ۳۰۳ طلبہ ہین، میزانیہ ۳۴۳۰ پونڈ ہے، اور ۱۲۰ پونڈ بعض دیگر ذرائع سے بھی ملتے ہین،

مدرسہ رقازیق، یہ مذہبی مدارس مین سب سے نیا مدرسہ ہے، اس کی بنیاد سنہ ۱۹۲۵ء مین تکمیل کو پہونچی، مدرسین کی تعداد ۱۰۲ ہے، جس مین سے ۶۹ علمائے ازہر مین سے ہین، ۸ خطاطی کی تعلیم دینے والے ہین اور ۲۵ اساتذہ سرکاری مدارس کے فارغ التحصیل ہین، طلبہ کی تعداد ۶۳۳ اور میزانیہ ۱۲۷۸۱ پونڈ ہے،

ان تمام مدارس کی مستقل وسیع عمارتین ہین، اور ہر ایک مدرسہ ایک ایک مستقل مجلس کی نگرانی مین ہے،

ہندو مذہب پر اسلام کا اثر

مسز گرٹروڈی ٹوڈی (Mrs. GerTradev Tweedie) نے انڈین وٹنس مین ایک سلسلہ

مضامین شروع کیا ہے، جس مین انھون نے ہندو مذہب پر اسلام کے اثرات دکھائے ہین، وہ لکھتی ہین:۔

"ہندو مذہب مین اسلام کے ملنے سے بہت زیادہ تبدیلیان واقع ہوئی ہین، یہ واقعہ ہے کہ اس [illegible] سے اسلام سے کہین زیادہ ہندو مذہب کو فائدہ پہونچا ہے، اگرچہ اسلام مین بہت سی چیزون کو داخل کر لیا گیا لیکن چونکہ ان کے متعلق صحیح علم حاصل نہ ہو سکا، اس لئے ان سے اسلام کی قوت اور شادابی مین کوئی اضافہ نہین ہوا،

اسلام سے ملنے کی وجہ سے ہندو مذہب کی مذہبی و ذہنی زندگی بہت زیادہ صاف اور خالص ہو گئی ہے، اور یہ اسلام کی سب سے زیادہ خدمت ہے، جو اس نے دوسرے مذہب کے لئے انجام دی ہے، ہندو مذہب کا اسلام سے ملاپ، اس کے دعویٰ توحید کا علم اس کے قادر مطلق کے وجود سے آگاہی، اور حقیقت و صداقت کا [illegible] پہلو وہ چیزین ہین جنھون نے ہندو مذہب مین نہ صرف ایک حرکت پیدا کر دی، بلکہ ہندؤن کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ خود اپنی اصلاح کرین، اگرچہ اسلامی حملون کے وقت جبکہ ہر طرف قتل اور خون ریزی، ہلاکت اور تباہی کا دور دورہ تھا، ہندو فلسفیون نے اس سے متاثر ہو کر علمی کاروبار کو بند کر دیا تھا، لیکن جون ہی بابر کے عہد سے ایک عام امن و سکون، طمانیت و استقلال پیدا ہونا شروع ہوا وہ چنگاری جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، علانیہ روشن ہو گئی، اور پھر علم و حکمت کے بازار سجنے لگے، چونکہ حقیقی اسلام کی صحیح شکل و صورت شمال مغربی علاقہ ہی مین نظر آتی تھی، اس لئے فطرۃً اس کا سب سے زیادہ اثر پنجاب ہی مین ظاہر ہوا، پندرھوین صدی مین لودیون کے عہد مین اس اصلاح کا آغاز ہوتا ہے، اور اس کے بعد چار سو سال تک مسلسل ہم مصلحین کا جو ہندو مذہب کی اصلاح مین مصروف ہین ایک غیر منقطع سلسلہ پاتے ہین،

یہ مصلحین اعلیٰ و ادنیٰ دونون قومون سے متعلق تھے، لیکن ان کی روح اصلاح ایک ہی تھی، ان کی غرض ان چیزون کو دور کرنا تھا جن پر اسلام سب سے زیادہ معترض تھا، اور وہ شرک (معبودون کی کثرت) اور ذات پات کا رواج تھا، بیچے اچاریون اور جنگرون نے ذات کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا، اور رام نوج نے تو یہان تک کہا کہ اگر رذیل اور غریب قومون کے لئے نجات کا دروازہ بند ہے، تو وہ دوزخ مین جائیگا، کبیر اور نانک نے رام نوج اور رامانند کی پیروی کی، ان کی تعلیم کا مقصد حصول نجات کے لئے خارجی ذرائع کے اختیار کرنے کے عقیدہ کو مٹانا تھا، روزہ، جاترا، رہبانیت، اپنے کو جسمانی اور ذہنی تکالیف مین مبتلا کرنا، وہ چیزین تھین جنکی تحقیر کی گئی، بھگتی کا وعظ کہا گیا اور ریاضت کے ذریعہ ذاتی تجربہ کے حصول پر زور دیا گیا، اون کی تعلیمات مین ایک جدید اخلاقی عنصر پیدا ہو گیا،

"گرو نانک ذات کے کایستھ تھے، وہ پنجاب کے ایک گاؤن مین پیدا ہوئے اور وہان مسلمان صوفیون کے [illegible] چونکہ وہ صوفیون کے ساتھ اپنا زیادہ وقت صرف کرتے تھے، اس لئے ان کے والد نے ان کو گھر سے باہر بھیج دیا، لیکن وہ وہان بھی اپنا وقت فقیرون اور صوفیون ہی کی صحبت مین گذارتے تھے اپنی تصنیف مین وہ اپنے معبود کو عموماً "اللہ" اور کبھی رام اور ہری، کے نام سے یاد کرتے ہین، وہ تناسخ کے قائل نہین ہین، اون کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ "یہان نہ کوئی ہندو ہے اور نہ مسلمان"،

"گلبرگہ اور بیجاپور مین ان بزرگون کی جن کو حضرت سید حسن گیسو دراز نے مسلمان کیا اولاد ابتک موجود ہین، لاہور مین شیخ اسمٰعیل مشہور ہین، فتح پور سیکری کی فلک بوس عمارتین آج بھی حضرت سلیم چشتی کے اثرات کو ظاہر کر رہی ہین، اور اس طرح سیکڑون ایسے صوفیون کے نام گنائے جا سکتے ہین جو صرف تبلیغی روح لے کر ہندوستان آئے اور انھون نے یہان کے باشندون کو بت پرستی سے نجات دلائی،

یہ پرسکون تبلیغ مسلمانون سے زیادہ ہندؤن کے لئے مفید ہوئی، اور جن لوگون نے ان صاحبون کے تحت تبدیل مذہب کیا، وہ ان سے جو کسی خارجی، دنیاوی مفاد کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہوا زیادہ دیرپا ثابت ہوا کہ مؤخر الذکر صرف ظاہراً اسلام کے پابند تھے، لیکن باطناً ہندؤن کے بہت سے رسوم کو باقی رکھے ہوئے تھے، اس کے ساتھ ہی ان صوفیون کی تعلیم نے ہندؤن کو اپنے کتنے ہی معاشرتی رسوم کی اصلاح پر مجبور کیا،

"دن"

وسعتِ ارض اور تعدادِ آبادی

متمدن دنیا کی ایک بڑی تعداد اس نظریہ کی قائل ہے کہ ربع مسکون مین انسانون کی تعداد ز…
یہ کہ کافی درجہ تک پہونچ چکی ہے، بلکہ اس سرعت سے بڑھ رہی ہے کہ اگر اس کا انسداد نہ کیا گیا تو پھر یہ نوبت…
کہ انسان بھوکے مرنے اور ہر قسم کے جرم کا ارتکاب کرنے لگین گے، لیکن اب جرمنی کے دو مستند جغرافیہ دانون
نے اس باطل نظریہ کے چہرہ سے نقاب اٹھا دیا ہے، اور ثابت کر دیا ہے، اگرچہ یورپ مین جس آبادی کی ض…
ہے، اس کی ۸۰ فیصدی تعداد اس وقت موجود ہے، لیکن پھر بھی بہت سے ایسے براعظم ابھی موجود ہین جہان کی زمین
بالکل غیر آباد ہے، اور ان مین ابھی اربون انسان آباد ہو سکتے ہین، چنانچہ انہین خیالات کے متعلق فرانس کے
ڈاکٹر ہیڈ رسنے پیرس کے ایک رسالہ لی آرے نوبوے (دورجدید) مین ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے، وہ لکھتے ہین
"آج سے کچھ زمانہ قبل برلن کے مشہور جغرافیہ دان پروفیسر البرٹ پنک نے اپنے علمی خطبات کے…
سلسلہ مین اس حقیقت کو واضح طور سے بیان کر دیا تھا کہ آبادی کے جو مستند اعداد شمار حاصل ہوئے ہین
ان کی بنا پر نہایت وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ کثرتِ آبادی کا جو خوف ظاہر کیا جا رہا ہے، وہ بالکل بے…
ہے، واقعہ یہ ہے کہ ربع مسکون مین اس وقت اس آبادی کا جس کی اس مین گنجائش ہے، ایک جزو سکونت
پذیر ہے"

"اس وقت تمام دنیا کی آبادی کی تعداد ....۱۸ ہے، اور پنک کا خیال ہے کہ اگر تمام ربع مسکون
کا لحاظ کیا جائے تو اس مین ....۸ نفوس کی گنجائش ہے، چنانچہ موجودہ آبادی، اصل آبادی کا تقریباً
پانچوان حصہ ہے،

"ایک دوسرے جرمن جغرافیہ دان پروفیسر فیشر کا جو اول الذکر سے کسی طرح بھی کم مستند و مشہور
نہین، بیان ہے کہ ان کے اندازہ کے مطابق دنیا کی موجودہ آبادی ۶۲ کروڑ سے زیادہ نہین ہو سکتی، اور اگر

ہم اس تعداد کو بھی مان لین تو یہ بات اور مدلل ہو جاتی ہے کہ ابھی بہت کچھ گنجائش باقی ہے،
"لیکن اس کے ساتھ ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ اگر ہم ہر براعظم کو الگ الگ دیکھین تو ہم کو معلوم ہوگا
کہ بعض کی حالت یقیناً اس سے جداگانہ ہے، جہان تک یورپ کا تعلق ہے، پنک اور فیشر دونون اس بات
مین متحد ہین کہ مستقبل قریب ہی مین یورپ کی آبادی ایک نازک صورت اختیار کر لے گی، فیشر کے بیان کے وقت
یورپ زیادہ از زیادہ ......۵۶ انسانون کو اپنے آغوش مین رکھ سکتا ہے، اس وقت یورپ کی آبادی
......۴۶ یعنی ۸۰ فیصدی موجود ہے، لیکن دوسرے براعظمون کے لئے ابھی حالات بہت امید افزا ہین، فیشر کا
خیال ہے کہ ایشیا ایک ارب پچاس کرور کی پرورش کر تا ہے، اور پنک کا خیال ہے کہ ایک ارب ستر کرور کی،
ایشیا کی موجودہ آبادی ایک ارب تین کرور یعنی ۷۰ فی صدی ہے،

"امریکہ مین شمال و جنوب مین حالات مختلف ہین، جنوبی امریکہ مین ابھی موجودہ تعداد کے علاوہ ایک ارب
بیس کرور مزید انسانون کی پرورش کرنے کی صلاحیت ہے، شمالی امریکہ مین صورتِ حال کچھ زیادہ بہتر نہین
ہے، موجودہ آبادی یعنی ......۱۴۵ مین صرف ۸۰ کرور تک اضافہ ہو سکتا ہے، اور فیشر کا خیال ہے کہ یہ تعداد
ایک ارب دس کرور تک بڑھائی جا سکتی ہے،

"البتہ افریقہ اور اسٹریلیا مین حالات بہت امید افزا ہین، پنک کا اندازہ ہے، کہ افریقہ مین ۲ ارب
تیس کرور اقامت پذیر ہو سکتے ہین، اور اس وقت اس کی موجودہ آبادی صرف چودہ کرور ہے!

"اسٹریلیا کی آبادی صرف ۹۰ لاکھ ہے، لیکن وہ ۴۵ کرور انسان کو پال سکتا ہے،

"اگرچہ قدیم یورپ اسی فیصدی تک پر ہو چکا ہے، لیکن افریقہ اور اسٹریلیا مین صرف علی الترتیب
۶ اور ۲ فیصدی آبادی ہے، اس لئے مستقبل کی انسانی نسلون کے لئے حالات مایوس کن نہین بلکہ بہت
امید افزا ہین،

"ن"

اخبارِ علمیہ

اندھے اور عام کتابین

اس وقت تک اندھون کو لمسِ ید کے ذریعہ تعلیم دیجاتی تھی، اور ان کے لئے ابھرے ہوئے حروف کی کتابین تیار کیجاتی تھین، لیکن اب امریکہ کے ایک شخص رابرٹ ہوی، نابرگ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جس کے ذریعہ اندھے عام کتابین بھی پڑھ سکین گے، اس آلہ کی شکل ایک میز کی سی ہے، اس کے اوپر کتاب کو کھول کر رکھ دیا جاتا ہے، اور اس پر ایک خاص قسم کی محرک برقی روشنی ڈالی جاتی ہے، اس روشنی کے اثر کے ساتھ مختلف حروف والفاظ کی مختلف آوازین پیدا ہوتی ہین اور ان آوازون کو پہچاننے کی تھوڑی سی مشق کے بعد اندھے کتابین پڑھنے لگین گے، (لٹریری ڈائجسٹ)

ہوائی جہاز اور موسمی خبرین،

ہوائی جہازون کی تباہی وبربادی کے مختلف اسباب مین موسمی حالات کی اچانک خرابی ایک بڑا عنصر ہے، اور بہت سے ہوائی جہاز اور اس کے سوار اس غیر معلوم حادثہ کے شکار ہو چکے ہین، اسی ہلاکت سے بچانے کے لئے ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ لاسلکی طریقہ سے تمام ہوائی جہازون کو موسم کی خبرین پہونچائی جائین، چنانچہ اب جہاز ملک کے کسی گوشہ مین بھی ہو اسے تبدیلِ موسم کا ایک گھنٹہ قبل علم ہو جائیگا اور اس طرح اس کے سوار طوفان اور آندھی کی ہلاکت سے بچ سکین گے، اس نئے سلسلہ مین تقریباً ۸ ہزار خرچ ہوگا،

تیزاب کی بارش

اب تک ہم نے سنا تھا کہ بعض مقامات پر خون کی بارش ہوئی تھی، لیکن اب ڈاکٹر اے، ای فری نے نیویارک کے اخبار دیس سائنس مین اس بات کی اطلاع شائع کی ہے کہ علاقہ ویسو ویس (WESUVIUS)

مین ایک خاص قسم کے تیزاب کی بارش ہوئی ہے، ان کا بیان ہے کہ آج سے ۲۰ سال قبل بھی اسی قسم کی ایک اور بارش ہوئی تھی، اس کے اثرات کے متعلق وہ لکھتے ہین، کہ سبزیان تباہ اور ہر معدنی شے جس پر یہ پانی پڑا برباد ہو گئین، اگرچہ باشندون کو کوئی جانی نقصان نہین پہونچا لیکن ان کے باغ، ان کی کاشت اور ان کے دوسرے اسباب کی تباہی نے ان کو سخت ترین مالی نقصان پہونچایا ہے، ان کا بیان ہے کہ اس علاقہ کے کوہ آتش فشان مین یہ تیزاب موجود ہے، اور وہین سے یہ اس کی وادی پر برستا ہے،

نقشِ قدم جمع کرنے کا شوق،

متمدن دنیا کے شوقین مزاج روزانہ کوئی نہ کوئی جدت کیا کرتے ہین، اثری اشیاء کے جمع کرنے کے شوق کیساتھ ہی ساتھ ٹکٹون، خطوط، دستخطون، قلمون وغیرہ کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور اس وقت لاکھون روپیہ ان چیزون پر صرف کیا جاتا ہے، اب اخبار اوٹ ڈور امریکہ (OUT DOOR AMERICA) کے ایک مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ وہان کے لوگون کو جانورون کے نقشِ قدم جمع کرنے کا شوق ہوا ہے، اور وہ جنگلون اور دیہاتون مین جاکر اس مٹی کو جس پر جانور کے نشان ہوتے ہین اٹھا یا کھود لاتے ہین، لیکن چونکہ وہ دیرپا نہین ہوتے، اس لئے اب انھون نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ بعض کیمیائی اجزاء کے ذریعہ اس مٹی کو سخت اور ناقابلِ شکست بنا دیتے ہین،

مضبوط ترین شیشہ،

ہر ملک کی پولس کو ایسے مہذب ڈاکوؤن سے جو اپنے حصولِ مقصد اور پولس کی گرفت سے بچنے کے لئے جان لینے کو برا نہین سمجھتے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور اکثر موٹر پر تعاقب کرتے ہوئے پولس والون کی جان ضائع ہوتی ہے، اسی خطرہ سے پولس کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک ایسا شیشہ ایجاد کیا گیا ہے جس پر بندوق اور پستول کی گولیان بالکل اثر نہ کرسکین گی، یہ شیشہ موٹر کے اگلے اور جانبین کے حصہ مین لگا رہے گا، اس کے ساتھ ہی شیشون مین ایسے سوراخ بھی بنے رہین گے، جن کے اندر سے پولیس والے بندوقون اور پستولون کی نال نکال کر مجرمون پر حملہ کرسکین گے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا مجرم بھی اس ایجاد سے فائدہ نہ اٹھائین گے؟

دنیا کا سب سے بڑا شہاب ثاقب،

اس وقت تک مختلف زمانون مین جو شہاب ثاقب زمین پر گرے ہین اور جن کا حال ہم کو معلوم ہے، ان مین سب سے بڑا وہ تھا
جو ۳۰ جون ۱۹۰۸ء کو سائبریا کے علاقہ مینی سائی مین گرا تھا، سب سے بڑا تھا، حکومت روس کی طرف سے اس کی تحقیقات کیلئے
جو مہم روانہ کی گئی تھی، اس نے اپنی روئداد مین لکھا ہے کہ جس جگہ یہ ستارہ گرا تھا وہان میلون تک زمین ایسی ہوگئی
جیسے اس پر کسی نے خوب گہرا ہل چلادیا ہو، اس کے پاس کے ہزارون درخت خاک کا ڈھیر تھے اور ۱۵۰۰ جانورون کا گلہ جو
چر رہا تھا بالکل ناپید ہوگیا، اس شہاب ثاقب کا اثر ۵۰ میل کے فاصلے تک پہونچا جہان دو کسان مجروح ہوئے اور
فاصلہ کے ایک ریلوے اسٹیشن پر اس کی گرمی محسوس ہوئی، خیریت یہ گذری کہ یہ ستارہ کسی شہر یا آباد علاقہ مین نہین گرا
ورنہ ایک عدیم المثال تباہی رونما ہوتی، مگر اس کی بھی کوئی ضمانت نہین ہے کہ آیندہ ایسا نہ ہوگا،

امریکن سیاح اور ان کے مصارف

امریکہ مین دولت کی کثرت کے ساتھ سیر و سیاحت کا جذبہ بھی انتہائی درجہ پر پہونچا ہوا ہے، گذشتہ سال
۴۰۰۰۰۰ امریکیون نے مختلف ممالک کی سیاحت کی اور اس سال کے متعلق خیال ہے کہ یہ تعداد ۵۰۰۰۰۰ تک پہونچ
جائیگی، ان سیاحون نے صرف یورپ مین ۴۲۵۰۰۰۰۰ ڈالر خرچ کئے اور کناڈا مین ۱۹۰۰۰۰۰۰ ڈالر، ان کے
تقریباً ۷، ۸ ہزار ایسے امریکن ہین جو زیادہ تر سفر ہی کرتے رہتے ہین، اور ان کے مصارف کی تعداد ......
۱۹۲۶ء مین ان سیاحون کے مجموعی اخراجات کی رقم ۹۰۰۰۰۰ پونڈ تھی اور ۱۹۲۷ء مین ۵۰۰۰۰۰۰ ڈالر ہوگئی

ایک تاریخی کرۂ سیمین

امریکہ کے طبیعی تاریخ کے عجائب خانہ مین بارہ انچ قطر کا ایک چاندی کا کرہ ہے، اس مین تمام سیارون
اور اقسام فلکی کی تصاویر بنی ہوئی ہین، اس کی قیمت ۸۰۰۰ ڈالر لگائی گئی ہے، یہ کرہ آج سے چار سو سال پیشتر کا بنا ہوا
ہے، اور اس کا بنانے والا مشہور ہئیت دان ٹیکو براہی ہے،

ایک عجیب جانور،

اس وقت تک یہ ایک مسلمہ عقیدہ تھا کہ چونکہ خچر گدھا اور گھوڑی کے ارتباط سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے کسی خچر
کے کوئی بچہ پیدا نہین ہوسکتا، لیکن اب ٹیکساس یونیورسٹی نے ایک ایسا جانور حاصل کیا ہے جو نصف گدھا ہے اور نصف گھوڑا،
اور یہ ایک خچر سے پیدا ہوا ہے،

ہندوستان کے اقتصادی جھگڑے،

ایک طرف تو ہمکو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ ملک کی مالی حالت روز بروز بہتر ہوتی جاتی ہے، لیکن دوسری طرف سرمایہ دار
غریب مزدورون کو جس صورت سے تنگ کر رہے ہین، اوس کا پتہ کارخانون کے ان جھگڑون کی تعداد سے چلتا ہے
جو تمام ملک مین ہوتے رہتے ہین، چنانچہ گذشتہ صرف ایک سہ ماہی کی جو سرکاری رپورٹ شائع ہوئی اوس سے پتہ
چلتا ہے کہ سال کے اس قلیل عرصہ مین اس قسم کے ۵۰ جھگڑے رونما ہوئے، اس مین ۴۰، ۳۵، ۰۰ اشخاص شریک تھے
اور اس کی وجہ سے ۵۰۰، ۱۰۰۰ ایام کام نہ ہوسکا، ان مین سے ۲۳ کلکتہ مین، ۱۲ بمبئی مین، ۷ برما مین، ایک ایک مدراس
اور آسام مین، تین بہار مین اور ایک پنجاب مین ہوا، بمبئی مین تقریباً ۲ لاکھ دنون کا نقصان ہوا، بنگال کا اس کے
بعد درجہ ہے، ۱۵۹۰۰۰ ایام کا اور پنجاب مین ۱۰،۷۰۰ کا،

نفسیات قوم،

اس وقت تک عام خیال یہ تھا کہ نیند ایک خاص قسم کی کیفیت ہے جو ایک کام کرنے کے بعد انسان پر طاری
ہوتی ہے، اور چند گھنٹون کے بعد خود بخود دور ہوجاتی ہے، علماء نے بھی اس کی طرف توجہ نہین کی تھی، چنانچہ جن
لوگون نے اس مسئلہ کیطرف خاص توجہ کی ان کی تعداد ایک درجن بھی نہیں ہے، لیکن اب کالگیٹ یونیورسٹی کے استاذ نفسیات
ڈاکٹر ڈانلڈ، اے، لیرڈ نے اس موضوع پر خالص علمی حیثیت سے تحقیقات شروع کی ہے، اوران کے شاگرد
اپنے کو معمول کی طور پر پیش کررہے ہین، ان کے لئے خاص کمرے تیار کئے گئے ہین، اور ان مین ایسے نازک
آلات لگائے گئے ہین جن سے ایک سکنڈ کے $\frac{1}{100}$ وین حصہ کی کیفیت معلوم ہوجاتی ہے،

ادبیات

نالۂ تپش

از

جناب شیخ عبداللطیف صاحب تپش بی اے معلم گورنمنٹ کالج پسرور (پنجاب)

نالون سے اپنے سر پر کیون آسمان اٹھائین — اس گنبدِ کہن پر کیا زور آزمائین

جب تک نہ دیدۂ تر کچھ اور رنگ لائین — ان آنسوؤن سے کیا ہم دل کی لگی بجھائین

دامن سے تم نے جھٹکا مشتِ غبار کس کا — ہر ذرہ لے رہا ہے خورشید کی بلائین

گہوارۂ اثر ہے دستِ طلب کی لرزش — آغوشِ مضطرب مین خوابیدہ ہین بلائین

پوچھین مزاج تیرا دل مین نہ ہو جو الجھن — تقدیر اگر نہ بگڑے زلفین تیری بنائین

صدقے مین تیرے پھولے بیٹھے ہین لالہ و گل — پہنی ہین سب نے تیری اتری ہوئین قبائین

طومارِ صد عدم ہین طوفانِ زندگی ہین — بکھرے ہوئے وہ گیسو بگڑی ہوئی ادائین

روٹھے تو روٹھ بیٹھے یہ کیا مزا تو جب ہے — سو بار تم خفا ہو سو بار ہم منائین

کیا جانے کس ہوا کا جھونکا تجھے بجھا دے — اے شمعِ بزمِ ہستی آ کیا تجھ سے لو لگائین

خاموشیِ تپش ہے پردے مین سازِ غم کے
اللہ رے بے نوائی روپوش ہین صدائین

فکرِ ثاقب

از

سید ابو محمد ثاقب کانپوری

اثر رنگینیون کا ہو گا کیا مایوسِ زندان پر — بہارین آئین یا بجلی گرے صحنِ گلستان پر

انھین تاریکیون مین کچھ حقیقت کی تجلی ہے — نہ ہنس اے صبحِ رنگین تو مری شامِ غریبان پر

اسی نے محو کر ڈالی جفاؤن کی خلش دل سے — جو کیفیت کا عالم تھا ترے حسنِ پشیمان پر

مرے شورِ جراحت کے لیے یہ تنگیِ سامان — ہنسی آتی ہے میرے زخم کو تیرے نمکدان پر

جلا ڈالا تھا جس نے وادیِ ایمن کو شعلون سے — مدارِ زندگی ہے اب مرا اس سوزِ پنہان پر

مجھے پروا نہ تھی رسوائیان ہوتین زمانے مین — ستم تو یہ ہے تم ہنستے ہو میرے جیب و دامان پر

یہ ذوقِ معصیت میرا عبادت سے بھی ارفع ہے — تڑپ جاتی ہے خود رحمت مرے معیارِ عصیان پر

مرے ہر شعر مین ثاقب حقیقت کی تجلی ہے
کہ تیرا عکس پڑتا ہے مرے جذباتِ پنہان پر

باب التقریظ والانتقاد

صراط الحمید

از مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین،

حاجی محمد الیاس برنی ایم اے ایل ایل بی علیگ پروفیسر معاشیات عثمانیہ یونیورسٹی حید[ر آباد]
دکن ۱۳۵۴ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اسی سلسلہ میں انھون نے عراق شام اور فلسطین کی بھی
سیاحت کی اور یہان کے مقامات مقدسہ آثار متبرکہ اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حضوری کا شرف حاصل
کیا، صراط الحمید اسی سیاحت اور زیارت کے حالات اور تاثرات کا نتیجہ ہے،

اس سفرنامہ مین اہل دل زائر اور دنیادار سیاح دونون کی دلچسپیون کے لئے کافی سامان موجود ہے، ا[ن]
تینون مقامات کے انبیاے کرام اور بزرگانِ دین کے مزارات و آثار اور ان پر حضوری کے واردات قلبیہ کیسا[تھ]
راستے وسائل سفر، ریلین، موٹر سروسین، کرایہ ہر جگہ کے سفر کے قوانین وضوابط، پاسپورٹ، سکہ جات، شرح مبا[دلہ]
سرائین، ہوٹل اور زادیے، اور اس قسم کے تمام وہ ضروری معلومات جس سے ایک مسافر کی رہنمائی مین مد[د]
مل سکتی ہین موجود ہین،

سفرنامہ کو دلچسپ بنانے کے لئے مقدس مقامات کے فوٹو بھی دیئے ہین، آخر مین راستون کی فہرست
کے لئے ایک نقشہ بھی دیا ہے،

صراط حمید، فصلون پر مشتمل ہے، پہلی فصل مین عزمِ سفر کے ابتدائی حالات، دوسری مین بمبئی سے عراق تک [کے]
واقعات ہین، اس فصل مین حجاج کے لئے ضروری ہدایات، جہازی کمپنیان، ٹکٹ، جہاز پر سواری، قرنطینہ، محمرہ اور
بصرہ کا قیام، بغداد ریلوے، عراق کی زیارت گاہین، بغداد، کربلاے معلی، نجف اشرف، کاظمین، سامرہ ان زیا[رت]

مقامات کے راستے اور زیارت کے وسائل، شیخ عبد القادر جیلانی، امام احمد بن حنبل، امام اعظم، حسن بصری،
جنید بغدادی، ابو بکر شبلی، ذو النون مصری، شہاب الدین سہروردی، امام غزالی کے مزارات، ان کی ظاہری
شان، خدام صاحب مزار کے حالات ان کے باطنی کمالات اور تصانیف کے بعد بغداد کی عام حالت پر مختصر
تبصرہ ہے،

تیسری فصل عراق تا دمشق، اس فصل مین وسائلِ سفر، راستے، سفر کی ضروری ہدایات، دمشق کا قیام
اس کی موجودہ حالت مسلمانون کے اخلاقی اقتصادی اور مذہبی حالات، جامع دمشق، حضرت یحییٰ علیہ السلام
ابو عبیدہ بن جراح، بلال حبشیؓ، ام المومنین ام حبیبہؓ، امیر معاویہؓ، صلاح الدین ایوبی، محی الدین ابن عربی
کے مزارات، ان کی تصانیف، آثار مین قافلہ اہل بیت کا جاے قیام، اور حضرت حسینؓ کے سر مبارک کے طاق
وغیرہ کا ذکر ہے، پھر دمشق کی پیداوار اور شادابی پر تبصرہ کے بعد بیروت کی مختصر حالت دی ہے، پھر مختلف ممالک
کے سکون کے نرخ اور مبادلہ کی شرح ہے،

چوتھی فصل شام تا فلسطین، اس مین ریلوے لائنون کا سفر، سامان کی دیکھ بھال، دمشق سے حیفہ تک کے
مناظر بیت المقدس کی حالت مسلمانون کی پوزیشن، یہودیون کی نو آبادیان، برٹش گورنمنٹ کی پالیسی، یہودیون
کی جنبہ داری، مسجد اقصیٰ اور اس کی نمازِ جمعہ، آثار سلیمانی، آثار مسیحی، آثار داؤدی، مریم کی عبادت گاہ،
کلیساے اعظم، اس کے مسلمان کلید بردار، اور ان کی عظمت، حضرت یعقوبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ
حضرت یوسفؑ کے مزارات اور ان کی ہیبت، آثار موسوی، مسلمانون کا عظیم الشان جلسہ اور اس سے یہودیون
اور عیسائیون کا خوف و ہراس، بیت المقدس مین یہودیون عیسائیون اور مسلمانون کے زاویئے،

پانچوین فصل فلسطین تا حجاز، فلسطین سے روانگی، مدینہ مین ورود، اس فصل مین مدینہ کے نہایت مفصل
حالات ہین، خصوصاً حرم نبوی اور بارگاہِ نبوی کی حضوری کے وارداتِ قلب اس ذوق اور وجدان سے
لکھے ہین کہ ان کی تصویر کھینچ دی ہے، اور پڑھنے والا بغیر متاثر ہوئے، نہین رہ سکتا، پھر فرداً فرداً مدینہ کی

ہر چیز کا تذکرہ ہے، روضۂ نبوی اور مسجد نبوی کے بعض تاریخی حالات، بقیع اور اس کے آسودگانِ خاک اس کی موجودہ حالت۔ اطرافِ مدینہ کے مآثر، مسجد قبا اور روضۂ سیدنا حمزہؓ، معمولات اور دعائین، مدینہ کی آبادی، باشندگان مدینہ کے اخلاق وعادات، مدینۃ الرسول کی موجودہ حالت، شاہِ دکن کی خدمت، سعودی دورِ حکومت کا امن وامان، مدینہ سے روانگی، مکہ کا ورود، موجودہ حکومتِ حجاز پر منصفانہ تبصرہ، اس کے محاسن ومعائب وسائلِ معاش کی قلت، باشندگانِ مدینہ کی پریشان حالی،

چھٹی فصل حج بیت اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ کے حالات، بیت اللہ کی تعمیر، خلیل اللہ کی دعا، آنحضرت صلعم کا ظہور، تحویلِ قبلہ، شعائر اللہ، عمارتِ بیت اللہ کی تاریخ اور اس مین ترمیم اور اضافے، غلافِ کعبہ کی تاریخ، دوسرے مآثر، چاہ زمزم، بیت اللہ کا نقشہ، عام مآثر منا، مسجد خیف، جمرۃ الکبریٰ، جمرۃ الوسطیٰ، مزدلفہ، جبلِ رحمت، مسجد نمرہ، ذات عرق، مسجد عرفہ، حرم کے حدود، میقات یلملم، منازل، جحفہ، ذوالحلیفہ، ان سب کے مختصر حالات، مصطلحاتِ حج اور ان کے نامون کی تشریح، اشہر حرام، احرام، تلبیہ، شوط، طواف، استلام، سعی، اصطباغ، رمل، عرفہ، وقوفِ عرفات، وقوفِ منا، ایام تشریق، تکبیر تشریق، جمع تقدیم، جمع تاخیر، ایام نحر، رمی جمار، اضحیہ، جنایات، کفارہ، دم، صدقہ، فرضیت حج، آدابِ سفر، اقسامِ حج، افراد، تمتع، قرآن ان کے طریقے اور احرام اور طواف کا طریقہ اور اس کے مسائل اور دعائین، منا کا قیام، عرفات کا اجتماع، مزدلفہ کی واپسی، منا کا قیام وغیرہ، اس قسم کے حج کے تمام ضروری مسائل کی وضاحت اور ان کے مصطلحات کی تشریح ہے، جنایت کا امکان بہت رہتا ہے، اس لیے اس کے تمام مسائل لکھ دیے ہین، حج کے مسائل کے بعد مآثر مین مولد نبوی، مولدِ فاطمہ، خلفاے راشدینؓ کے مکانات، جنت المعلی کے حالات ہین، آخری ساتوین فصل حجاز سے ہندوستان کی واپسی کے حالات پر ختم ہوتی ہے،

جو کچھ ہم نے اوپر لکھا وہ سفرنامہ کے ظاہری، نقوش، خطوط اور مباحث کا خلاصہ ہے، لیکن ابھی اس کا رنگ، اور اس کی روح دکھانی باقی ہے، جو درحقیقت اس سفرنامہ کا امتیازی وصف اور اس کی جان ہے، ورنہ بے کیف اور بے نمک بہت سے سفرنامے لکھے جا چکے ہین اور لکھے جاتے ہین، یہ روح پروفیسر صاحب کے وہ تاثرات اور واردات قلب ہین جو مقدس مقامات کی حاضری کے وقت فوقتاً ان پر طاری ہوتے رہے، اور جنکو ان کے حقیقت نگار قلم نے اس فرق ووجدان سے صفحۂ قرطاس پر اُتارا ہے کہ کاغذ کے اوراق دل کا آئینہ بنگئے ہین، یہی اردات اس ساری سیر وسیاحت کا خلاصہ اور نچوڑ ہین، معلوم ہوتا ہے کہ ایک دنیادار پروفیسر کے بجائے ایک مجذوب صوفی بے اختیاری مین معلوم نہین کیا کیا کہہ رہا ہے اور کس حال مین کہہ رہا ہے، ناظرین بھی اس سے لطف اندوز ہون، مدینہ کا سفر ملاحظہ ہو،

"اور سچ پوچھیے تو مدینہ کا سفر ہی ایسا ہے، ہو سکے تو سر کے بل جائے، بعد نماز مغرب بلاناغہ میلاد شریف ہوتا تھا، اونٹون پر بیٹھے بیٹھے سب ملکر بلند الحان سے عربی قصائد اور فارسی اردو نعتین پڑھتے، خود ہی پڑھتے خود ہی سنتے خود ہی لطف سے جھومتے ...... اونٹ بھی کان کھڑے کرکے چال بدل دیتے تھے، بظاہر معلوم ہوتا اثر لے رہے ہین اردگرد کی پہاڑیون سے صدائے بازگشت اٹھتی، شبہہ ہوتا میلاد شریف مین ہمارے ساتھ شجر حجر بھی شریک ہین بے تکلف ربنا الک ذکرک کا ساغلغلہ سنائی دیتا تھا، بہرحال سفر مین بڑی راحت ملی ایمانی برکات جو اس سفر مین نازل ہوئے الحمدللہ کیا بیان کیجیے،

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

وہ جو مدت سے وردِ زبان تھا ع میرے مولا بلالو مدینہ مجھے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ ۹ر شوال ۱۳۴۵ھ کو علی الصباح قبل ظہر کے وقت پورا ہوا، مدینہ منورہ مین داخل ہوے اور دور سے گنبدِ خضرا پر نظر پڑی تو دل کا حال کیا بیان کیجیے، پہنچنے سے پہلے پہنچا جاتا تھا بے قرار تھا، درود شریف پڑھنے سے ذرا تسکین ہوتی تھی، تقویت ملتی تھی،"

حرم اور حریم نبوی کی کیفیت ملاحظہ ہو،

"ہم کئی دن سے دعا مانگ رہے تھے کہ شب بیداری کی توفیق ملے بفضلہ غنودگی بھی نہ آئی، حرم شریف مین تخلیہ ہوا اور روشنی کم ہوئی، تو عجب شان جلالت کے آثار محسوس ہونے لگے، بے اختیار دل عظمت سے بیٹھا جاتا تھا بارے درود خوانی سے تقویت ہوئی، خدا جانے کس حال مین کس خیال مین دو بجے تک صحن

مین بیٹھے رہے پھر معلوم ہوا، اب حاضر ہونا چاہیئے، الحمد للہ اس سے بڑھکر زندگی مین کون سا وقت آسکتا ہے، آنکھ
اور بارگاہِ اقدس کی طرف لڑکھڑاتے ہوئے چلے، ۳ رفیق نماز کے واسطے روضۃ الجنۃ مین ٹھہر گئے، مگر ایک دیوانہ
اپنی دھن مین افتان وخیزان پہنچا اور مواجہہ شریف آستانِ عالی پر جالی مبارک پکڑکے کھڑا ہوگیا، اللہ اکبر دو نہیں
شب کی خوش نصیبی مین صرف دو شمعین روشن اور بارگاہِ اقدس کی حضوری،

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زمان
دل شرح آن کند کہ چہ دید و چہا شنید

اتنے مین چارون رفیق جمع ہوگئے اپنا اپنا ربط اور اپنا حال
ہم ہی ہم ہین تری محفل مین کوئی اور نہین

گھنٹے منٹون مین گذر گئے، وہی ۲ بجے حرم شریف کے دروازے کھلے اور تخلیہ برخاست ہوا، اپنے
حق مین یہ شب لیلۃ القدر معلوم ہوتی تھی، الحمد للہ حمداً کثیراً وصل علیٰ رسول اللہ وبارک وسلم

حضرت حسنین کے روضۂ اقدس کے تاثرات ملاحظہ ہون،

"یہان حاضر ہوکر دل بھی بھٹنے لگتا ہے، کل کی ... محسوس ہوتی ہے، روضۂ شریف کی ظاہری
شان وشوکت آرائش وزیبائش دیکھکر خاص وعام سب کی عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور باطنی فیوض کا بھی یہ
عالم ہے کہ ہر دل حسبِ استعداد سرشار ہوجاتا ہے . . . . دل خود بخود بھرآتا ہے آنکھون سے آنسو جاری ہو
ہین، درد محبت کا مزا ملتا ہے، مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بچے، امیر، غریب، ہر کوئی اپنے حال مین محو، اپنی
کیفیت مین مست، کسی کو کسی کی خبر نہین، بلا مبالغہ معلوم ہوتا ہے، شمعین روشن ہین اور پروانے فدا ہورہے ہین

دل آپ پر تصدق، جان آپ پر ہے صدقے

روز وشب ماہ وسال ہمیشہ یہی کیفیت رہتی ہے، ادھر سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ شفقت ومحبت
کا سمندر لہرین مار رہا ہے جس پر چھلک پڑجاتی ہے نکھر جاتا ہے، اور لہرون کی یہ کیفیت ہے کہ کسی مستحق کو محروم

نہین چھوڑتین اپنے دل سے تو یہ سلام نکلتا تھا . . . . . "

خاتونِ جنتؓ کی آستان بوسی کے سلسلہ مین لکھتے ہین:-

"یون تو بفضلہ تعالیٰ سب ہی مزارات پر بلا ناغہ حاضر ہوتا تھا، فاتحہ پڑھتا لیکن اول سیدۃ خاتونِ
جنت کی خدمت مین حاضر ہوتا اور دیر تک حاضر رہتا، پھر بھی دل نہ بھرتا اور ایسے آستانہ سے کیونکر دل بھرے
. . . . امت مرحومہ کا کون ایسا غمگسار ہے کوئی کیسا ہی نادار ہو بے یار ومددگار ہو یتیم ہو، بیوہ ہو غم زدہ
ہو ستم رسیدہ ہو غریب الوطن ہو گرفتارِ محن ہو، دل فاش فاش ہو، جگر پاش پاش ہو، فاطمہ اور اس کی اولاد ہر
حال مین شریکِ حال ہے، ہمدرد وغمگسار ہے اور جنت مین بھی امت کی خاطر مدارات بیشتر انھین کے اختیار ہے"

اسی قسم کے واردات وکیفیات سے سفرنامہ کا بیشتر حصہ لبریز ہے، ہم نمونہ کے طور پر دوچار جگہ سے اقتباسات
دیدیے ہین،

مکہ اور مدینہ کے حالات مین سطر سطر آیات قرآنی سے مرصع اور ذوق ووجدان سے معمور ہے، اربابِ دل
اور زائرین اور حجاز وعراق وشام کے سیاحون کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، ضخامت ۲۸۰ صفحے قیمت عہ
حاجی مقتدیٰ خان شیروانی علی گڈھ، اور مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے،

المامون

علامہ شبلیؒ

خلیفہ مامون الرشید کے عہدِ سلطنت کے حالات، اب تک اس کے بازاری نسخے عام طریقے سے فروخت ہوتے تھے، اب
مطبع معارف نے خاص اہتمام سے طبع کراکے شائع کیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی بہترین ہے، ضخامت ۲۲۸ صفحے قیمت
عہ/ دعہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

مشہور مستشرقین Eminent Orientalist صفحہ ۲۰۴ قیمت ۱۲ ر جی اے

نٹسن اینڈ کو جارج ٹاؤن مدراس،

مسٹر جی اے نٹسن، ہندوستان کے انگریزی دان طبقہ مین تعارف سے بالاتر ہین، ان کا ماہانہ رسالہ انڈین ریویو علمی و سیاسی حلقون مین خاص وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اس ماہانہ خدمت کے علاوہ ہندوستان کی سیاسیات، تاریخ، معاشیات، مذہبیات، خطب و تقاریر کے متعلق تصانیف و تالیفات کا ایک بڑا مجموعہ انھون نے شایع کرکے ملک کی بڑی خدمت کی ہے، زیر تنقید کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس کتاب مین ان ۲۵ ہندوستانی، یوروپین اور امریکن مستشرقین کے حالات اور کارنامے ہین جنھون نے ہندوستان سے متعلق مباحث پر اپنی عمر صرف کی ہے، اگر ایک حیثیت سے اس مجموعہ کو مکمل کہا جا سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہندو علوم و ادبیات پر کام کرنے والون کا حال معلوم ہو جاتا ہے، تو دوسری طرف اس کمی سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا جو اسلامی ہندوستان کے اہل مباحث کے فقدان کی وجہ سے نظر آتا ہے، سر سید مرحوم سب سے پہلے ہندوستانی ہین جنھون نے سنجیدہ و محققانہ طریقہ سے تاریخی و اثری مباحث پر قلم اٹھایا، اور نہ صرف ملک کے اندر بلکہ یورپ کی متعدد علمی مجالس نے اس کو تسلیم کیا، اسی طرح دوسرے مسلمان اکابر کا نام بھی لیا جا سکتا ہے،

مسیحیت و اسلام کی مماثلت[1] مصنفہ الحاج لارڈ ہیڈلے فاروق صفحہ ۱۶۰ قیمت ۶ر پتہ انجمن اشاعت اسلام عزیز منزل، لاہور،

اسرائیلی مذاہب مین مسیحیت سب سے آخری چیز ہے، اور اسلام کو اس سے جو لگاؤ ہے، اس سے بھی کسی کو انکار نہین ہو سکتا، لیکن یوروپ کی مسیحیت نے جہان ایک طرف دوسرے مذاہب کو بالکل غلط گمراہ کن طریقہ سے پیش کیا ہے، وہین اس نے خود مسیحیت کے معصوم اور سادہ چہرہ پر وہ نقاشی کردی ہے کہ اس کے اصلی خط و خال بالکل چھپ گئے ہین، اور خود اسلام سے اس کو وہ بعد ہو گیا ہے، کہ ان دونون مین یکسانی و مماثلت کا کوئی شائبہ بھی نظر نہین آتا، اسی لئے موجودہ اسلامی مبلغین نے اس بات کی مسلسل کوشش جاری کر رکھی ہے کہ ایک طرف تو وہ اسلام کو اس کے صحیح خط و خال مین اہل یورپ کے سامنے پیش کر رہے ہین اور دوسری طرف مسیحیت کے چہرہ پر یورپ مین رنگ و روغن کو دھو کر اسے اسلام سے قریب ترین شے بتانے مین مشغول ہین، لارڈ ہیڈلے اسی تبلیغی جماعت کے ایک رکن ہین، اور حال ہی مین انھون نے اپنی افریقی و ایشیائی اسلامی برادری سے ملاقات پیدا کرنے کے لئے سفر کیا تھا، افریقہ کے غیر مسلم احباب سے جو گفتگو ہوئی اس کا نتیجہ یہ کتاب ہے، اس مین لارڈ موصوف نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ حقیقی عیسائیت اور صحیح اسلام ایک دوسرے سے کس قدر مماثل و مشابہ ہین، اس کتاب کو اسلامی ادبیات کی اشاعت مجلس نے شایع کیا ہے،

پیغام سروش، از جناب میان محمد اسلم صاحب صفحہ ۲۹۶ قیمت ۱؎ پتہ:- نسیم بک ڈپو، بازار بارود خانہ، لاہور،

میان محمد اسلم صاحب پنجاب کے فسانہ نگار، مضمون نویس اور شاعر ہین، ان کے متعدد افسانون کو تعلیمی حلقون مین مقبولیت حاصل ہوئی ہے، موجودہ مجموعہ ان کے ۸ افسانون (جن مین ترجمے بھی شامل ہین) ۱۲ مضامین اور ۸ نظمون پر مشتمل ہے، نظمین عام طور ان کی صاحبزادی کی وفات سے پیدا شدہ اثرات کا نتیجہ ہین، مضامین کے مباحث مین بھی تنوع ہے، افسانہ بھی عہد موجود کے افسانون کے ہم رنگ ہین، ابتدا مین جناب حفیظ اڈیٹر مخزن کا ستائشی دیباچہ ہے، وہ لکھتے ہین:-

"آپ کا طرز تحریر سلاست کے لئے خاص طور پر مشہور ہے"

ہم کو معلوم نہین کہ مندرجۂ ذیل جملون کی سلاست و روانی کے متعلق لائق دیباچہ نگار کا کیا خیال ہے،

"انجار جن کے پات زرد پڑ گئے تھے .... گو دیکھنے مین منڈ منڈ نظر آتے تھے"،

"میٹھے میٹھے گیتون والے خوش نما طیور جو صبح و شام اشجار کے ڈال ڈال پات پات پر اچک اچک کر کارساز عالم کی مدح سرائی کے نغمے گایا کرتے تھے" ص ۲۳

"ایک بوڑھا دہقان اور اس کی زوجہ"

[1] The affinity between The original Church of Jesus Christ & Islam

"چودہ پندرہ کے درمیان سن وسال"

"نہایت مستانہ خد و خال" ص ۱۴

وقس علی ہذا، ظاہری محاسن کے لحاظ سے کتاب قابلِ تعریف ہے،

آخری مضامین، نوشتہ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان مرحوم صفحہ ۱۶۰، قیمت عہ، پتہ:۔ ملک چنن الدین تاجرِ کتب، اللہ والے کی قومی دکان، کوچہ کگے زیان، بازار کشمیری، لاہور،

سر سید مرحوم ایک خاص قسم کے خیالات کی اشاعت کے ذمہ دار ہین، اور اس وقت ایک فطرت پرست وعقلیت پرست جماعت انھین کے وضع کردہ اصول پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھ رہی ہے، یہ مضامین ان کے ذہنی مشاغل کی آخری تصویر ہے، اور سر سید مرحوم کی وفات (مارچ ۱۸۹۸ء) کے چند ماہ بعد (ستمبر ۱۸۹۸ء) مین ان کے ایک معتقد و مداح اور موجودہ ناشر کے والد ماجد ملک فضل الدین مرحوم نے ان کو شایع بھی کر دیا تھا، سر سید مرحوم اور ان کے رفقاے کار کے مضامین کی اشاعت اولین کا ملک صاحب مرحوم ہی کو فخر حاصل تھا، اور اب ان کی اشاعت ثانیہ کی عزت ان کے صاحبزادہ کو نصیب ہوئی ہے، اس مجموعہ کے مضامین، علمی، مذہبی، تاریخی اور سیاسی ہین، اور ان سے اس عہد کے مسلمانون کی سب سے زیادہ ترقی پسند مغربیت نواز جماعت کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے،

حیاتِ سعدی، مولفہ شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم صفحہ ۲۱۶، قیمت عہ، پتہ مذکورہ بالا،

اس مشہور کتاب کا ایک متوسط حیثیت کا یہ اڈیشن ملک چنن الدین نے شایع کیا ہے، عام بازاری نسخون سے تو بہر حال بہتر ہے، اس مین اتنا اضافہ اور کیا گیا ہے کہ مشکل الفاظ اور بعض جگہ اشعار کے معنی حاشیہ مین بڑھا دیئے گئے ہین، اس خدمت کو جناب مولوی احمد بابا مخدومی لاہوری نے انجام دیا ہے، اس کے علاوہ ابتدا مین سعدیؒ اور مولف کی تصاویر بھی ہین،

مجلد بست ودم | ماہ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۸ء | نمبر سوم

مضامین